حدیثِ قرطاس

ایک تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی ☆

A Critical Study of "Hadith-e-Qirtas"

"Hadith-e-Qirts" or the Hadith of pen and paper is a famous incident of Seerah, quoted in the books of Hadith in different wordings and chains by the narrators. This hadith refers to the serious ailment of the Prophet (PBUH) before his death, when he said, 'Bring for me (writing) paper and I will write for you a statement after which you will not go astray.' But 'Umar said, 'The Prophet is seriously ill, and we have got Allah's Book with us and that is sufficient for us.' But the companions of the Prophet differed about this and there was a hue and cry. On that the Prophet said to them, 'Go away (and leave me alone). It is not right that you should quarrel in front of me." Ibn 'Abbas came out saying, "It was most unfortunate (a great disaster) that Allah's Apostle was prevented from writing that statement for them because of their disagreement and noise. The other wordings of this Hadith narrate that three instructions by the Prophet (PBUH).

The contentious substance of this Hadith has created a controversy and difference of opinion among the scholars of Hadith. This paper undertakes a critical examination of the "Hadith-e-Qirtas" and claims that the process of writing the Hadith was completed.

سیرتِ نبوی کا ایک اہم مہتم بالشان واقعہ واقعہ قرطاس کہلاتا ہے۔ اسے حدیث قرطاس بھی کہا جاسکتا ہے اور کہا جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفاۃ میں اپنے حجرے میں جمع

☆ سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ، ڈائریکٹر ادارہ علوم اسلامیہ وشاہ ولی اللہ دہلویؒ ریسرچ سیل، مسلم یونی ورسٹی۔ علی گڑھ

اصحاب کرام سے فرمایا کہ میرے پاس ایک کاغذ لاؤ، جس پر میں ایک فرمان لکھ دوں، جس کے بعد تم کبھی راستے سے نہ بھٹک سکو۔ صحیحین کی اس حدیث شریف کے متعدد اطراف ہیں۔ دوسرے محدثین کرام نے اس کو اپنے طریقے سے روایت کیا ہے اور شارحین حدیث نے ان تمام احادیث واطراف پر خوب بحثیں کی ہیں۔ اس واقعے کا یہ سب سے اہم، معتبر اور اعلیٰ ماخذ ہے۔

دوسرا ماخذ سیرت نبوی کے ماہرین کرام کا ہے۔ ان میں قدیم وجدید سیرت نگار شامل ہیں اور ان کے محققین بھی۔ ان میں سے بیشتر نے اس واقعے کو زیادہ اہمیت نہیں دی ہے۔ خصوصاً قدیم اور جدید سیرت نگاروں نے بالعموم حدیث صحیحین پر ہی اکتفا کر کے بحث کی ہے۔ ان کے مباحث اور تحقیقات اس واقعہ وحدیث کا دوسرا رخ متعین کرتے ہیں۔

تیسرا مبحث صوفیہ کرام بالخصوص حضرت مجدد الف ثانی (احمد بن عبدالاحد فاروقی، ۱۴ر شوال ۹۷۱ھ/ ۱۶ مئی ۱۵۶۴ء۔ ۲۸ر صفر ۱۰۳۸ھ/ ۳۰ر نومبر ۱۶۲۴ء)، جو مجدد الف ثانی اور شیخ احمد سرہندی کے نام ولقب سے زیادہ معروف ومشہور ہیں، کے مکتوبات امام ربانی اور بعض دوسرے صوفیہ کرام کی نگارشات میں ملتا ہے۔ وہ بلاشبہ حدیث صحیحین سے اصلاً بحث کرتا ہے۔

مگر اس میں بعض ایسے نکات ودقائق ہیں جن کی طرف عام توجہ نہیں ہوئی۔ جدید سیرت نگاروں نے ان کے مباحث سے قطعی اعتنا نہیں کیا۔

اس تنقیدی وتحقیقی مقالے میں ان تینوں جہات سے اس واقعے پر بحث کرنی مقصود ہے۔ لہٰذا فطری طور پر اس کے بالترتیب تین مباحث ہوں گے: اول حدیثی مبحث، دوم سیرتی نقطۂ نظر اور سوم صوفیانہ شرح حدیث وواقعے اور آخر میں ان تینوں مباحث پر محاکمہ کر کے نتائج نکالے جائیں گے۔

مبحثِ اول

احادیث قرطاس میں اصلاً صحیحین کی احادیث ہیں، اور مسند احمد بن حنبل میں بھی اس کی بعض تخریجات ہیں۔

احادیث بخاری: امام بخاری نے اصل حدیث قرطاس نقل کی ہے، جو یہ ہے:

حدثنا یحییٰ بن سلیمان قال حدثنی ابن وھب قال اخبرنی یونس عن ابن شھاب عن عبیداللہ بن عبداللہ عن ابن عباس قال : لما اشتد بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال : ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لاتضلوا بعدہ ،

قال عمر : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبہ الوجع، وعندنا کتاب اللہ حسبنا، فاختلفوا، وکثر اللغط، قال: قوموا عنی، ولاینبغی عندی التنازع، فخرج ابن عباس یقول: ان الرزیۃ کل الرزیۃ ماحال بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین کتابہ (۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس باب میں شرح حدیث کرتے ہوئے بعض دوسری کتب حدیث کی روایات واحادیث کا مختصر حوالہ دیا ہے، جیسے مسلم میں ارشاد نبوی بابت کتابت ہے: ایتونی بالکتف والدواۃ..... اور مسند احمد میں حدیث علیؓ میں ہے: امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان آتیہٗ بطبق، ای کتف، یکتب مالاتضل امتہ من بعدہ۔ دوسرے مباحث سے قبل ان اطراف بخاری کا ذکر اجمالاً کرنا ضروری ہے کہ ان میں حدیث قرطاس اور اس کے واقعے کے بارے میں کیا صراحتیں ملتی ہیں اور ان کے بعد دوسری کتب حدیث کی روایات کا مختصر تجزیہ کیا جائے گا۔ (۲)

بخاری کے مختلف اطراف میں سے حدیث ۳۰۵۳ کا متن وسند ہے:

حدثنا قبیصۃ حدثنا ابن عیینۃ عن سلیمان الاحول عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ قال: یوم الخمیس ومایوم الخمیس اثم بکی حتی خضب دمعہ الحصباء فقال اشتد

احادیث مسلم

احادیث مسلم کتاب الوصیۃ کے باب ترک الوصیۃ میں ہیں اور ان کی تعداد تین ہے، جو مختلف اسناد سے ہیں۔

حدثناسعید بن منصور وقتیبۃ بن سعید وابوبکربن ابی شیبہ وعمرو الناقد واللفظ لسعید، قالوا: حدثنا سفیان عن سلیمان الاحول عن سعید بن جبیر قال، قال ابن عباس: یوم الخمیس فقال: أیتونی اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدی، فتنازعوا، وما ینبغی عذبنی تنازع، وقالوا: ماشان ء أھجر؟ استفھموہ، قال:دعونی، فالذی انا فیہ خیر، اوصیکم بثلاث..... (۳)

حدثنا اسحاق بن ابراھیم ، اخبرنا وکیع عن مالك بن مغول عن طلحۃ بن مصرف عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس انہ قال: یوم الخمیس..... قال

رسول الله صلى الله عليه وسلم : ايتونى بالكتف والدواة،اوللوح والدواة، اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده ابدا، فقالوا: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يهجر(۴)

حدثنى محمد بن زافع وعبد بن حميد. قال عبد اخبرنا، وقال ابن رافع: حدثناعبدالرزاق: اخبرنا معمر عن الزهرى، عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة، عن ابن عباس قال: لما حضر رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى البيت رجال فيهم عمر بن الخطاب فقال النبى صلى الله عليه وسلم : هلم اكتب لكم كتابا لاتضلوا بعده فقال عمر: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم غلب عليه الوجع، وعندكم القرآن، حسبنا كتاب الله، فاختلف اهل البيت فاختصموا، منهم من يقول: قربوا يكتب لكم رسول الله صلى الله عليه وسلم كتابا لن تضلوا بعده، ومنهم من يقول ماقال عمر، فلما اكثروا اللغو والاختلاف عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قوموا. قال عبدالله : فكان ابن عباس يقول: ان الرزية كل الرزية ماحال بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين ان يكتب لهم، ذالك الكتاب ومن اختلافهم تغطيهم (۵)

تشریحاتِ شارحین

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی تشریحاتِ بخاری میں حدیث قرطاس کی مرویات بخاری کے علاوہ بعض روایاتِ مسلم واحمد کو بھی شامل کرلیا ہے، جیسا کہ اوپر ایک حوالہ آچکا۔ اس مقالے میں متونِ حدیث میں صحیحین کی تمام احادیث کو جمع کردیا گیا ہے۔ ان تمام مرویاتِ بخاری ومسلم کے تمام اختلافاتِ لفظی کی نشان دہی بھی کی گئی ہے، تاکہ مختلف اسانید سے جو خاص عبارات وتعبیراتِ نبوی اور بیانات ومباحثِ صحابہ کرام ان میں مختلف انداز سے ملتے ہیں، ان کا پختہ اور بلاریب علم سب کو ہوجائے اور پھر ان کے تجزیے میں آسانی ہو اور کسی کو کسی بیان وتبصرے کے چھپانے کی یا اس کی غلط تعبیر کرنے کی جسارتِ بے جا نہ ہوسکے۔

پہلے شارحینِ حدیث بالخصوص حافظِ موصوف کی تشریحِ احادیث کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، جوانہوں

نے بعض مقامات پر کیا ہے،

''کتاب العلم'' میں حدیثِ بخاری: ۱۱۴ کے ضمن انہوں نے بعض الفاظ حدیث اور ان کے اختلاف معانی سے بحث کی ہے۔ ان میں سے بعض کی تشریح کے لئے انہوں نے کتاب المغازی کی بحث دیکھنے کا مشورہ دیا ہے جیسے **وجعه، اشتد، بكتاب، اكتب، كتابا و لاتضلوا** وغیرہ شامل ہیں جن کے لغوی معانی وغیرہ ہیں اور معانی کے لئے زیادہ اہم نہیں ہیں۔ البتہ غلبہ الوجع کی تشریح اور **ولا ينبغي عندي التنازع** کی تعبیر بہت اہم ہے۔

غلبه الوجع کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتاب کا املا کرانا یا خود اپنے دست مبارک سے لکھنا دشوار ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس فقرے سے یہ سمجھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لمبی بات لکھوانا چاہتے تھے۔

قرطبی وغیرہ کے خیال میں **ایتونی** لفظ میں حکم وامر کے معنی تھے، اور مامور پر یہ فرض تھا کہ وہ تعمیل ارشاد میں جلدی کریں، لیکن حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک جماعت صحابہؓ کے نزدیک اس کے معنی امر وجوب نہ تھے اور وہ اصلح (زیادہ مناسب) کی طرف ارشاد و ہدایت معنی رکھتا تھا، لہٰذا ان کو یہ ناپسند ہوا کہ اس حالتِ تکلیف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شاق چیز کی تکلیف دیں۔ پھر ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا: **مافرطنا في الكتب من شيء** اور دوسرا ارشاد الٰہی بھی تھا **تبيانا لكل شيء** اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ ہمارے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔

صحابہ کرام کی دوسری جماعت کا خیال یہ تھا کہ تعمیل ارشاد نبوی کی جائے، کیوں کہ اس میں زیادہ وضاحت ہو جاتی۔ بہ ہر حال صحابہ کرام میں سب کے سامنے یہ حقیقت واضح تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اختیار کی بنا پر تھا۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کے اختلاف ومخالفت کے سبب تبلیغ نہیں چھوڑی۔ پھر صحابہ کرام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی حکم سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض معاملات میں مراجعت کیا کرتے تھے، اور جب عزم اور قطعی حکم کا اظہار فرما دیتے تو تعمیل کرتے تھے۔ یہ بہ ہر حال حضرت عمرؓ کی موافقت میں شمار کیا گیا ہے۔

الکتاب کی مراد میں اختلاف کیا گیا ہے:

۱۔ کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ایسی کتاب لکھوانے کا تھا جس میں احکام پر نص قطعی فرما دیں، تا کہ اختلاف کی گنجائش نہ رہے۔

۲۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد خلفا کے اسمائے گرامی لکھوانا چاہتے تھے، تا کہ

ان کے درمیان اختلاف نہ پیدا ہو۔ یہ قول سفیان بن عیینہ کا ہے اور ان کے قول کی تائید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض کی ابتدا میں حضرت عائشہ سے فرمایا تھا: تم اپنے والد اور بھائی کو میرے پاس بلا لاؤ، تاکہ میں ایک کتاب لکھ دوں، کیوں کہ مجھے خدشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا اور کوئی شخص کچھ کہتا پھرے۔ بہ ہر حال اللہ تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے علاوہ ہر شخص کا انکار کر دیں گے:

ادعی لی اباك واخاك حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قال، ویابی اللہ والمومنون الا ابابکر

اس حدیث کی تخریج مسلم نے کی ہے، اور مصنف کے لئے اس کے معانی ہیں۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں لکھا۔ بہ ہر حال اول بات قول عمر: کتاب اللہ حسبنا یعنی کتاب اللہ ہمارے لئے کافی ہے زیادہ واضح (اظہر) ہے۔ باوجود یہ کہ دوسری وجہ کی بھی حامل ہے، کیوں کہ وہ افراد میں سے بعض کو شامل ہے۔

فائدے کے تحت حافظ ابن حجر موصوف نے امام خطابیؒ کے قول عمرؓ کی تشریح یہ کی ہے کہ حضرت عمرؓ کا موقف اس لئے تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلاف واختلاف دور کرنے کے لئے نص فرما دیتے تو علما کی فضیلت اور اجتہاد دونوں باطل ہو جاتے۔ اس پر امام ابن جوزیؒ نے تنقید کی ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک یا زیادہ اشیا کے بارے میں نص بھی فرما دیتے تو اجتہاد باطل نہ ہوتا، کیوں کہ حوادث (واقعات نو) بے کراں ہوتے ہیں۔ امام ابن جوزیؒ کے خیال میں حضرت عمر کو اس بات کا خدشہ تھا کہ مرض کے غلبے کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لکھوا دیا تو منافقین کو اس مکتوب پر طعن کرنے کا موقع مل جاتا۔ اس کی تائید میں بحث اواخر مغازی میں آتی ہے۔

ولا ینبغی عندی التنازع کے ارشاد نبوی میں یہ حقیقت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں جلدی کرنی بہتر تھی، اگرچہ حضرت عمرؓ نے جو موقف اختیار کیا وہ صحیح تھا، کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بعد میں تدارک نہیں فرمایا تھا جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے۔ امام قرطبیؒ کا قول ہے کہ صحابہ کرام کا اس معاملے میں اختلاف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے بارے میں اختلاف کے مانند تھا جس کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بنو قریظہ میں پہنچنے سے قبل کوئی عصر نہ پڑھے **لایصلین احد العصر الا فی بنی قریظة** کچھ لوگوں کو نماز عصر فوت ہونے کا خوف ہوا تو نماز عصر پہلے پڑھ لی اور دوسروں نے امر نبوی کے ظاہر سے تمسک کیا اور نماز (وقت پر) نہیں پڑھی۔

مطلوب اجتہاد اور صالح مقصد کے سبب ان میں سے کسی نے دوسرے پر نکیر وتعریض نہیں کی۔ اس مقام پر بقیہ بحث حافظ موصوف حضرت عباسؓ کے کلمات وغیرہ پر ہے۔(۲)

کتاب المغازی کی تشریحات حافظ ابن حجر کافی مفصل ہیں، لہٰذا ان کی تلخیص کرنی زیادہ موزوں لگتی ہے:

بعض تشریحات صرف لغوی اور فنی ہیں، جیسے یوم الخمیس، رزیہ، شدت مرض اور حضر رسول اللہ، کتابا وغیرہ کی۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں یہ جملہ: **ولا ینبغی عند نبی تنازع** کے بارے میں حافظ موصوف کا خیال ہے کہ وہ حدیث مرفوع کا جملے ہے۔ البتہ اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ قول ابن عباسؓ کا مدرج / ادراج ہو۔ لیکن اول صواب ہے، کیوں کہ کتاب العلم میں وہ حدیث مرفوع کے جملے کے بہ طور نقل ہوا ہے۔

صحابہؓ کے جملے: **ماشانہ؟ اھجر؟** ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت ہے؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم غلبے تکلیف میں کچھ فرمارہے ہیں؟'' موصوف نے پہلے اس کے استفہامیہ ہونے پر بحث کی ہے یا اخباریہ سے یعنی ھجر ہے یا اُھجر؟ پھر اس کے معانی سے۔ اس موضوع پر کشمیریؒ، قاضی عیاضؒ، قرطبیؒ کے اقوال بیان کر کے قرطبیؒ کی تلخیص کو عمدہ قرار دے کر خود اسے نقل کیا ہے کہ وہ راجح طور سے استفہامیہ اُھجر؟ ہے۔ اس کے معنی ہذیان وغیرہ ہیں، لیکن یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے مریض کا کلام ہے جو منظم ومربوط نہیں ہے اور بلا فائدہ ہونے کے سبب قابل توجہ نہیں ہے۔

بہ ہر حال یہ بات صرف قرینہ نہیں بل کہ قطعی ہے کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کتاب لکھنے کا ارادہ ضروری اور بہ ذریعہ وحی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف صحابہ کرام کی وجہ سے اس کو ترک نہ فرماتے۔

موقف عمرؓ کے بارے میں امام خطابیؒ کی تشریح نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ارادہ نبوی میں نعوذ باللہ کسی غلطی کا شائبہ بھی نہیں پایا تھا۔ وہ صرف راحت رسانی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے، اور منافقین کے لئے طعن کا موقع نہیں فراہم کرنا چاہتے تھے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے بیان رزیہ ومصیبت اور اظہار کرب وبلا کے بارے میں تبصرہ حافظ بہت عمدہ ہے کہ حضرت عمرؓ بہ ہر حال حضرت ابن عباسؓ سے زیادہ فقیہ تھے۔ یہ اصلاً ابن بطال کا تبصرہ ہے اور اس پر نقد وبحث آخری بحث میں ہے۔

فقال دعونی الخ کے آخری ارشاد نبوی کے بارے میں حافظ موصوف نے کافی مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر دنیا پر امر آخرت کو ترجیح دی اور صحابہ کرام کے

استفہام اور معاملے کی وضاحت کو زیادہ اہمیت نہ دی اور پھر کتاب نہیں لکھوائی۔

آخر میں تین زبانی وصایائے نبوی کا ذکر اس حدیث قرطاس میں ہے۔ اس سے حافظ موصوف نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارادۂ کتاب فرمایا تھا وہ قطعی امر نہیں تھا کہ جس کی تبلیغ لازمی ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے اور نہ لکھواتے تو اپنی زبانی وصیتوں میں ان کو شامل فرمادیتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بھی نہیں کیا، حال آں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کئی دنوں تک زندہ رہے۔ باقی بحث حافظ ان زبانی وصایا کے بارے میں ہے۔(۷)

مبحثِ دوم: روایات سیرت

سیرت وسوانح کے اصل مآخذ ومصادر میں حدیث وواقعہ قرطاس پر بحث ومباحثہ بھی کم ملتا ہے اور روایات بھی کم ہیں، ان میں یہ ایک دل چسپ حقیقت ضرور ملتی ہے کہ واقعہ قرطاس سے متعلق ان کی روایات بیشتر احادیث نبوی کے مانند ہیں، اور بعد کے سیرت نگاروں نے تو حدیث بالخصوص صحیحین کی احادیث نبوی کے ہی متعلقہ مباحث نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ البتہ ان میں سے بعض نے اپنی خاص تحقیقات سے اس موضوع کی جہات وابعاد میں قابل قدر اضافات کئے ہیں، اگرچہ ان سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ اس بحث میں پہلے اصل مآخذ سیرت کی روایات سے بحث کی جائے گی اور پھر ثانوی مآخذ سیرت بالخصوص اردو سیرت نگاری کے حوالے سے۔

ابن اسحاق وابن ہشام کی متداول سیرت نبوی میں واقعہ قرطاس کی ذکر نہیں مل سکا، جب کہ وفات نبوی کے بارے میں دوسرے تمام مباحث مختصراً ضرور پائے جاتے ہیں۔ غالباً ان ہی کی پیروی میں ان کے شارح امام سہیلی (عبدالرحمٰن بن عبداللہ اندلسی ۵۰۸/۱۱۱۴-۵۸۱/۱۱۸۵) نے اپنی شرح الروض الانف میں بھی اس کا ذکر نہیں کیا، حال آں کہ وہ بسا اوقات ابن اسحاق کے علاوہ دوسرے رواۃ کی بنا پر اضافے کرتے ہیں۔

حدیث قرطاس کو نہ بیان کرنے والوں میں ایک اور اہم سیرت نگار قدیم مورخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وھب بن واضح الکاتب العباسی م بعد ۳۱۵/۹۲۷) ہیں، جو مسلک کے لحاظ سے شیعہ تھے۔ انہوں نے وفات کے باب میں اس کا حوالہ تک نہیں دیا۔(۸)

روایات واحادیث ابن سعد

غالباً قدیم ترین سیرت نگاروں میں اولین صاحب فن امام ابن سعدؒ (محمد بن سعد، م ۲۳۰/۸۴۵)

ہیں، جنہوں نے حدیث قرطاس پر کافی عمدہ اور بہتر مواد جمع کیا ہے اور ان کی احادیث وروایات کی تعداد بھی کافی ووافی ہے۔ امام ابن سعدؒ کے بارے میں یہ وضاحت شروع میں کرنی ضروری ہے کہ امام موصوف سیرت وسوانح کے ساتھ حدیث کے بھی امام تھے، اگر چہ وہ سیرت وسوانح میں امام واقدی (محمد بن عمر م ۲۰۷/۸۲۲) کے شاگرد رشید تھے، اور ان کے کاتب بھی رہے تھے، تاہم ان کو معتبر وثقہ مانا جاتا ہے اور اس پر کسی کا اختلاف معقول نہیں ہے، جب کہ امام واقدی کے خلاف سخت ترین الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔(۹)

امام ابن سعد نے واقعہ قرطاس کے بڑی معنی خیز سرخی لگائی ہے: ذکر الکتاب الذی اراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یکتب لامتہ فی مرضہ الذی مات فیہ اس میں انہوں نے نو روایات واحادیث بیان کی ہیں۔ ان میں سے متعدد روایات نئی ہیں۔ ان روایات میں بعض احادیث وہ ہیں جو صحیحین میں پائی جاتی ہیں، اگر چہ ان میں بعض لفظی اختلافات ملتے ہیں لیکن اہم ترین روایات واحادیث وہ ہیں جو امام موصوف نے اپنی اسناد سے بیان کی ہیں اور صحیحین کی روایات سے قطعی مختلف ہیں، یہ اختلاف اسناد کا بھی ہے اور متن کی معلومات کا بھی اور ان معلومات سے واقعہ قرطاس کی دوسری جہات کا پتہ چلتا ہے۔

اول روایت بنیادی طور سے حضرت ابن عباسؓ اور ان کے شاگردوں اور صحیحین کے سلسلۂ اسناد سے ہے:

۱۔ اخبرنا یحییٰ بن حماد، اخبرنا ابو عوانۃ عن سلیمان یعنی الاعمش عن عبداللہ بن عبداللہ سعید بن جبیر عن ابن عباس: اس میں یوم الخمیس کے حوالے کے بعد حدیث قرطاس کے الفاظ ہیں: ائتونی بدواۃ وصحیفۃ اکتب لکم کتابا لاتضلوا بعدہ ابدا۔ پھر حاضر صحابہ کا ردعمل وموقف ہے: فقال بعض من کان عندہ ان نبی اللہ یھجر ! قال: فقیل لہ: ألا ناتیك بما طلبت؟ قال: أو بعد ماذا؟ قال: فلم یدع بہ۔

۲۔ دوسری روایت امام ابن سعد صحیحین کے مطابق ہے جس کی سند ہے: اخبرنا سفیان بن عیینۃ عن سلیمان بن ابی مسلم خال ابن ابی نجیح سمع سعید بن جبیر قال: قال ابن عباس: یوم الخمیس ..... وہ حدیث مسلم: ۴۲۳۲ کے مطابق ہے لیکن اس میں یہ قابل قدر اضافہ ہے کہ "أھجر؟ استفھموہ" کے بعد صحابہ کرام کے بارے میں یہ ذکر ہے: فذھبوا یعیدون علیہ فقال: دعونی....."

۳۔ تیسری حدیث ابن سعد بالکل نئی سند اور نئے متن کے ساتھ ہے:

اخبرنا محمد بن عبدالله الانصاری، حدثنی قرة بن خالد، اخبرنا ابو الزبیر، اخبرنا جابر بن عبدالله الانصاری: قال: لما کان فی مرض رسول الله صلی الله علیه وسلم الذی توفی فیه دعا بصحیفة لیکتب فیه لامته کتابا لایضلون ولایضلون ، قال: فکان فی البیت لغطٌ وکلام، وتکلم عمر بن الخطاب قال: فرضه النبی صلی الله علیه وسلم

۴۔ چوتھی حدیث ابن سعد بھی بالکل نئی ہے:

اخبرنا حفص بن عمر الحوضی، اخبرنا عمر بن الفضل العبدی عن نعیم بن یزید اخبرنا علی بن ابی طالب: ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ، لما ثقل قال: یا علی! ائتنی بطبق اکتب فیه مالا تضل امتی بعدی، قال: فخشیت ان تبقنی نفسه فقلت انی احفظ ذراعا من الصحیفة، قال: فکان راسه بین ذراعی وعضدی فجعل یوصی بالصلاة والزکاة ومامملکت ایمانکم، قال: کذالك حتی فاظت نفسه وامر بشهادة ان لااله الا الله وان محمدا عبده ورسوله حتی فاظت نفسه، من شهد بهما حرم علی النار

۵۔ پانچویں روایت ابن سعد اگرچہ ان کی اپنی سند ہے، لیکن وہ سعید بن جبیرؒ کے واسطے سے ابن عباسؓ پر تمام ہوتی ہے اور اس میں ان کے رونے کا ذکر ہے اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ائتونی بالکتف والدواة اکتب لکم کتابا لاتضلوا بعده ابداً۔ اور صحابہ کا ردعمل ہے: فقالوا: انما یهجر رسول الله صلی الله علیه وسلم

۶۔ چھٹی امام موصوف کے استادگرامی واقدی کی سند سے ہے اور حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے اور اہم ہے:

اخبرنا محمد بن عمر، حدثنی هشام بن سعد عن زید بن اسلم عن ابیه عن عمر بن الخطاب قال: کنا عند النبی صلی الله علیه وسلم وبینا وبین النساء حجاب، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اغسلونی بسبع قرب واتونی بصحیفة ودواة اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعده ابدا، فقال النسوة: أئتوا رسول الله صلی الله علیه و سلم بحاجته، قال عمرؓ : فقلت:

اسكتن فانكن صواحبه: اذا مرض عصرتن اعينكن واذا صح اخذتن بعنقه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ، هن خير منكم

۷۔ساتویں حدیث ابن سعد بھی ان کے استاد کی سند سے ہے اور بہت مختصر ہے:

اخبرنا محمد بن عمر، حدثنى ابراهيم بن يزيد عن ابى الزبير عن جابر قال: دعا النبى صلى الله عليه وسلم عند موته بصحيفة ليكتب فيه كتابا لامته لايضلوا ولايضلوا، فلغطوا عنده حتى رفض النبى صلى الله عليه وسلم

۸۔آٹھویں حدیث ابن سعد ان کے استاد گرامی کی سند ہے، لیکن وہ صحیحین کی حدیث ابن عباسؓ کے مانند ہے:

اخبرنا محمد بن عمر، حدثنى اسامه بن زيد الليثى ومعمر بن راشد عن الزهرى، عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبه عن ابن عباس، لما حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم الوفاة وفى البيت رجال فيهم عمر بن الخطاب .....الخ

یہ روایت حدیث بخاری: ۱۱۴/اور ۵۶۶۹ وغیرہ اور حدیث مسلم: ۴۲۳۴ کے بالکل موافق ہے، صرف ایک آدھ لفظ کا اضافہ یا فرق ہے جیسے فلما كثر اللغط والاختلاف کے بعد ہے: وغموا رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ

۹۔آخری حدیث ابن سعد بھی ان کے استاد محمد بن عمر کی سند سے ہے جو ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ کے واسطہ سے داؤد بن الحصینؒ سے اور ان کے واسطہ سے حضرت عکرمہؒ اور ان سے ابن عباسؓ سے مروی ہے۔اس میں کچھ خاص تعبیرات ہیں:

..... ان النبى صلى الله عليه وسلم قال فى مرضه الذى مات فيه: أئتونى بدواة وصحيفة اكتب لكم كتابا لن تضلوا بعده ابدا. فقال عمر بن الخطابؓ : من لفلانة وفلانة مدائن الروم؟ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس بميت حتى نفحتها ، ولومات لانتظرناه كما انتظرت بنواسرائيل موسىٰ! فقالت زينب زوج النبى صلى الله عليه وسلم : الاتسمعون النبى صلى الله عليه وسلم يعهد اليكم:فلغطوا، فقال قوموا،

فلما قاموا قُبض النبی صلی الله علیه وسلم مکانه (۱۰)

ان تمام احادیث ابن سعد کا ایک مفصل موازنہ صحیحین کی احادیث سے کیا جانا چاہئے، بالخصوص امام واقدیؒ کی سندوں پر مروی احادیث قرطاس کا۔ ان سے امام واقدیؒ کی حیثیت وثقاہت متعین کرنے میں مدد ملے گی۔ محض اقوال اور وہ بھی ایک طبقۂ علما ومحدثین کی بنا پر واقدی کی ثقاہت کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا غیر علمی رویہ ہے۔

امام بلاذری (احمد بن یحییٰ بن جابر، م ۲۷۹/۸۹۲) مشہور مورخ ونساب نے اپنی کتاب سیرت میں صرف دو روایات دی ہیں۔

حدثنی احمد بن ابراهیم، ثنا ابو عاصم النبیل، ثنا مالك بن مغول عن طلحة بن مصرف عن سعید بن جبیر عن ابن عباس انه قال: یوم الخمیس..... قال: ائتونی بالدواة والکتف اکتب لکم کتابا لاتضلون معه بعدی ابدا، فقالوا أتراه یهجر: وتکلموا ولغطوا، فغم ذلك رسول الله علیه وسلم واضجره وقال: الیکم عنی، ولم یکتب شیئا

حدثنی روح، ثنا الحجاج بن نصیر، عن قرة بن خالد، عن ابی الزبیر عن جابر: ان النبی صلی الله علیه وسلم دعا بصحیفة اراد ان یکتب فیه کتابا لامتة، فکان فی البیت لغط، فرفضه (۱۱)

ان مرویات بلاذریؒ پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہیں کیوں کہ وہ صحیحین کے مانند ہیں اور ان کے خاص عطیے پر بحث محاکمے میں آتی ہے۔

روایات طبریؒ

امام تاریخ وتفسیر وحدیث طبری (ابوجعفر محمد بن جریر طبری، ۲۲۴/۸۳۹-۳۱۰/۹۲۳) نے اس موضوع پر تین روایات نقل کی ہیں، اور وہ تینوں حضرت ابن عباسؓ کی احادیث ہیں، جو مختلف اسناد طبری سے آئی ہیں، لیکن وہ سب کی سب صحیحین کے مطابق ہیں:

حدثنا احمد بن حماد الدولابی، قال: حدثنا سفیان عن سلیمان بن ابی مسلم، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس قال: یوم الخمیس..... حدیث مسلم کی مانند

حدثنا ابو كريب، قال: حدثنا يحيىٰ بن آدم، قال حدثنا ابن عيينة عن سليمان الاحول، عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال: يوم الخميس، ثم ذكر نحو حديث احمد بن حماد، غير انه قال: ولا ينبغي عند نبي ان ينازع، حدثنا ابو كريب وصالح بن سمار،قال: حدثنا وكيع، عن مالك بن مغول، عن طلحة بن مصرف عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال: يوم الخميس الخ..... فقالوا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يهجر (۱۲)

روایات واحادیث طبری صرف ایک صحابی سے مروی ہیں اوران میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہے۔

امام عبدالبر قرطبی (یوسف بن عبدالبر النمیر ی، ۳۶۸/۹۷۹۔۴۶۳/۱۰۷۱) نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس کا خاتمہ لاختلافهم ولغطهم کے فقرے پر ہوتا ہے، مگراس میں ایک اہم اضافہ ہے:

وكان عمر القائل حينئذ : قد غلب عليه وجعه، وربما صح، وعندكم القرآن الخ۔

اس میں یہ بیان عمر کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شاید صحت مند ہوجائیں تو پھر تحریر فرمادیں گے اور خدانہ خواستہ وفات پائی تو تمہارے پاس قرآن موجود ہے۔ یہ ایک اہم اضافہ ہے۔(۱۳)

امام ابن حزم اندلسی (ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی، ۳۸۴/۹۹۴۔۴۵۶/۱۰۶۴) نے واقعہ قرطاس کی بنیاد حدیث حضرت ابن عباسؓ پر رکھی ہے، لیکن اس میں ان کا تجزیہ بھی شامل ہے، لہٰذا وہ درج ذیل ہے:

فلما كان يوم الخميس، قبل موته صلى الله عليه وسلم باربع ليال، اجتمع عنده جمع من الصحابة، فقال عليه السلام: ائتوني بكتف ودواة اكتب لكم كتابا لاتضلون بعدى، فقال عمر بن الخطابؓ كلمة اراد بها الخير، فكانت سببا لامتناعه من ذالك الكتاب، فقال: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد غلب عليه الوجع، وعندنا كتاب الله، وحسبنا كتاب الله، وساعده قوم حتى قالوا، أهجر رسول الله؟ وقال آخرون: اجيبوا بالكتف والدواة يكتب لكم رسول الله صلى الله عليه وسلم كتابا لاتضلون بعده، فساء ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم وامرهم بالخروج من عنده، فالرزية كل الرزية ماحال بينه وبين ذلك الكتاب، الا انه لاشك لوكان من

واجبات الدين ولوازم الشريعة لم يثنه عند كلام عمر ولا غيره (۱۴)

اس روایتی اور تجزیاتی بحث میں امام ابن حزم نے کتاب نبوی لکھنے کو روکنے کی ذمے داری حضرت عمرؓ کے قول مبارک پر ڈالی ہے اور اسے بہ ہر حال نیک ارادے سے کہا گیا کلمہ قرار دیا ہے، اور ان سے ایک قوم صحابہ کے اتفاق کا بھی اقرار کیا ہے۔ آخر میں ان کا تبصرہ اہم تر ہے کہ اگر وہ کتاب نبوی واجبات دین اور لوازم شریعت سے ہوتی تو حضرت عمرؓ یا کسی اور کا کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مانع نہ بنتا۔ اس کے بعد کے پیراگراف میں امام موصوف نے اس موعودہ کتاب نبوی کو استخلاف حضرت ابوبکر صدیق کی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے جوڑ دیا ہے، اور دونوں کو ملا کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم استخلاف ابی بکرؓ کے بارے میں لکھوانا چاہتے تھے بل کہ بعد کے خلفا کے بارے میں بھی۔ اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو صحابہ کرام کے اختلاف ونزاع کو وہ دور کرنے والی کتاب بن جاتی، جو خاص طور سے حضرت عثمانؓ کے معاملے میں اور ان کے بعد خوں ریزی سے راحت دیتی، بہ ہر حال قدرت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس معاملے میں مختلف طبقات (طوائف) ہلاک ہوئے اور ان کی گم راہی آج تک جاری ہے۔

روایات واحادیث ابن کثیر

حافظ ابن کثیر دمشقیؒ (اسماعیل بن عمر دمشقی، م ۷۷۴/۱۳۷۳) نے جو ایک اہم مورخ کے علاوہ ایک عظیم محدث ہیں اپنی تاریخ میں حدیث قرطاس پر ساری روایات بخاری ومسلم واحمد بن حنبل کی تمام روایات بھی نقل کی ہیں، جن میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ (۱۵)

متعدد دوسرے سیرت نگاروں نے اس واقعہ قرطاس کے بارے میں بہت اختصار سے کام لیا ہے:

حافظ ابن سید الناس (محمد بن عبداللہ یحییٰ، ۶۷۱/۱۲۷۲-۷۳۴/۱۳۳۴) نے صرف ایک سطر لکھی ہے، حال آں کہ وہ سیرت کے ساتھ ساتھ حدیث کے بھی بڑے عالم تھے۔ انہوں نے اپنے بیانیۂ وفات میں اسے سمو کر پیش کیا ہے:

"......وقال ائتونی اکتب لکم کتابا لاتضلوا بعده، فتنازعوا، فلم یکتب یہی واقعہ قرطاس کا کل بیانیۂ حافظ ہے۔ (۱۶)

علامہ مقریزی (تقی الدین احمد بن علی مصری، م ۸۴۵/۱۴۴۲) ایک اور تاریخ ونقل نویس نے امام ابن سعدؒ کی ایک حدیث کی بنیاد پر اپنے بیان قرطاس کو پیش کیا ہے اور جمعرات کو شدت کرب کے عالم میں طلب صحیفہ ودوات کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتاب لکھوانے کا بیان وحکم نقل کر کے صحابہ کا ردعمل

استفہامی نقل کر کے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور ان کی صواحب کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجت پوری کی جائے اور حضرت عمرؓ کے غلبہ وجع کے جملے کے علاوہ کتاب اللہ کے کافی ہونے کے علاوہ مدائن روم کے فتح کرنے کے بارے میں جملہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فتح کرنے سے قبل وفات نہیں پائیں گے اور پا گئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح انتظار کروں گا جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کیا تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین وصیتوں کا اسی مجلس میں ذکر ہے۔ محقق گرامی نے اس پورے واقعے پر کوئی حاشیہ لکھا ہے، نہ تبصرہ کیا ہے۔ (۱۷)

امام حلبی (علی بن برہان الدین حلبی شافعی، م ۱۰۴۴/۱۶۳۴ء) نے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استخلاف نامے کے بارے میں حضرت عائشہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی احادیث نقل کی ہیں، اس کے بعد کتاب موعود کا بیان مختصر پیش کیا ہے، جس کے تمام بنیادی نکات وہی ہیں جو اوپر مختلف روایات میں آتے ہیں۔ ان کے بیان کا یہ حصہ بہت اہم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ قول امام ابن کثیرؒ حضرت ابوبکرؓ کے فضائل پر جو خطبہ اس کے بعد دیا تھا غالباً اس میں کتاب نبوی کا مضمون آ گیا تھا، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ضروری نہیں سمجھا۔ بہ ہر حال قول حضرت عمرؓ کو برائے تخفیف کرب وشدت قرار دیا ہے۔ ان کا یہ سارا بیان بہت مختصر ہے اور ان کے اطناب کے طریقے کے خلاف ہے۔ (۱۸)

ثانوی مآخذ سیرت

اردو سیرت نگاری نے اگرچہ بہت بعد میں بال و پر نکالے لیکن جلد ہی اس نے دوسروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کا شرف ان عبقری سیرت نگاروں کو جاتا ہے، جو متبحر علمائے دین کے طبقے سے بالعموم تعلق ورشتہ رکھتے تھے۔ اور ان میں بھی عظیم ترین عبقری شخصیت مولانا شبلی نعمانیؒ (۱۲۷۴/۱۸۵۷۔ ۲۸ رذوالحجہ ۱۳۳۲/ ۱۸ رنومبر ۱۹۱۴ء) کی تھی۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ (۲۳ رصفر ۱۳۰۲/۲۲ رنومبر ۱۸۸۴۔ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳/۲۲ رنومبر ۱۹۵۳) ان کے جانشین و پروردہ سیرت نگار تھے۔ ان دونوں کو بیسویں صدی عیسوی کے امامین ہمامین کا درجہ اسی طرح حاصل ہے جس طرح اولین صدیوں میں ابن اسحاق وابن ہشام کو اپنی نگارشات سیرت کے سبب حاصل تھا۔ استاد گرامی اور شاگرد رشید دونوں نے اردو سیرت نگاری کی فنی طرح ڈالی، جس کا ایک شان دار مظاہرہ حدیث قرطاس کی بحث میں ہوا، اور پھر ان کے معاصرین اور جانشینوں نے ان دونوں سے خوشہ چینی کی۔ (۱۹)

مولانا شبلی نعمانیؒ نے اپنی عظیم سیرۃ النبی سے پہلے اپنی شاہ کار تصنیف الفاروق میں اس پر مفصل بحث

کی ہے، کیوں کہ حسن اتفاق سے اس حدیث وواقعہ قرطاس میں مرکزی شخصیت حضرت عمر فاروقؓ کی متعدد وجوہ سے بن گئی ہے۔ سیرۃ النبی میں میں مولانا نے الفاروق کی بحث ہی کی تلخیص پیش کی ہے اور اپنی ذاتی تحقیق کے مطالعے کے لئے الفاروق کا حوالہ دیا ہے۔ ان دونوں تصانیف کبریٰ کے مباحث سے الگ الگ بحث کرنے میں بلاوجہ تکرار واطناب کا معاملہ پیش آئے گا، لہٰذا ان دونوں کے مباحث کے نکات مشترکہ ایک ساتھ پیش کیا جارہا ہے البتہ دونوں کی نشان دہی کردی جائے گی تاکہ مآخذ کا فرق معلوم ہوسکے۔ (۲۰)

الفاروق میں نسبتاً مفصل اور سیرۃ النبی میں بہت مختصر طور سے حدیث قرطاس پر روایت ودرایت دونوں کے لحاظ سے بحث کی ہے۔ روایتی نقدِ شبلی کا اولین اور اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ واقعۂ قرطاس کی تمام احادیث بخاری ومسلم صرف ایک راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہیں۔ الفاروق میں لکھتے ہیں:

۴۔ اس واقعے کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اس کے کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چناں چہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے) بااین ہمہ بہ جز عبداللہ بن عباس اور کسی صحابی سے اس واقعے کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔

۵۔ عبداللہ بن عباس کی عمر اس وقت صرف ۱۳، ۱۴ برس کی تھی۔

۶۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے۔ اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انہوں نے کس سے سنا۔ (۲۱)

سیرۃ النبی میں نقدِ روایت پر مولانا مرحوم کا حاشیہ نمبر ا ہے: یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہے۔ صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف ابواب میں مذکور ہے اور ہر جگہ الفاظ میں کچھ نہ کچھ اختلاف ہے۔ صحیح مسلم کتاب الوصیہ میں یہ روایتیں یک جا ہیں۔ جن صحابی نے قلم دوات لانے میں گفت گو کی ہے بخاری میں ان کا نام نہیں، لیکن حدیث کی اور کتابوں میں مثلاً صحیح مسلم بہ تصریح حضرت عمرؓ کا نام ہے۔ صحیح مسلم میں ان کے یہ الفاظ ہیں: قد غلب علیه الوجع وعندکم القرآن وحسبنا کتاب الله صحیح مسلم کی دوسری روایتوں کے یہ الفاظ ہیں۔ ا۔ فقالوا ان رسول الله صلی الله علیه وسلم یهجر ۲۔ فقالوا أهجر؟ استفهموه اوران کے ترجمے بھی دیئے ہیں۔

درایتی نقدِ شبلی خاصا مفصل الفاروق میں ہے، لہٰذا اس کے اہم ترین نکات یہ ہیں:

ا۔ اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلال حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں تو صرف اس قدر کہنے سے قلم دوات لاؤ لوگوں کو ہذیان کا خیال کیوں کر پیدا ہوسکتا تھا.....'' یہ معمولی بات تھی اس کو ہذیان کیسے سمجھ لیا گیا۔

۲۔ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہ ہر حال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں، جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں نہیں ہیں اور بے ہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ مولانا مرحوم نے واقعے کی ضروری خصوصیتیں چھوڑ دینے، صرف حضرت ابن عباسؓ سے اس کے مروی ہونے اور وقتِ واقعہ خود موجود ہونے سے اس روایت کی حیثیت پر کلام کیا ہے اور اس کے بعد ایک بہت اصولی بات اپنے خاص انداز میں لکھی ہے:

> ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گزرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اس کو سمجھنا چاہئے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعے کی پوری ہیئت محفوظ نہیں رکھ سکا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔

اس واقعے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار دن زندہ رہے کہ بہ تصریح بخاری و مسلم واقعہ جمعرات کے دن کا ہے اور وفات دوشنبہ کے دن پائی۔ اس لئے آپ چاہتے تو کاغذ وقلم وطلب کر کے ہدایت لکھوا سکتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں لکھوائی۔

حاشیہ سیرۃ میں ہے ''ممکن ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تین وصیتیں زبانی فرمائیں وہی لکھوانا چاہتے ہوں یا اگر وہ اس کے علاوہ تھی تو آپ ان عام وصیتوں کے ساتھ زبانی فرما سکتے تھے یا اس کے بعد مجمع عام میں جو خطبہ دیا اس میں اس کا اظہار فرما سکتے تھے۔ اور یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ بخاری میں ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکر کو بلا کر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ خود خدا اور اہل اسلام ابوبکرؓ کے سوا کسی اور کو پسند نہ کریں گے''۔ (۲۲)

عربی کتب سیرت میں ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ کا حدیث ماخذ پر مبنی ہونے کا دعویٰ ہے، لہٰذا اس کی مختصر بحث کا اسی جگہ مختصر حوالہ دینا مناسب لگتا ہے۔ وفاۃ الرسول ﷺ کے وسیع تر عنوان کے تحت انہوں نے لکھا ہے:

> ولما حضرته الوفاة واشتد به المرض قال للصحابة: هلموا اكتب لكم كتابا لاتضلوا بعده، فاختلفوا فمنهم من اراد احضار ادوات الكتابة، ومنهم من خشى ان يشق على الرسول صلى الله عليه وسلم ذلك، ويبدو ان ثمة قرائن احتفت بذلك ان الامر باحضار ادوات الكتاب ليس على الوجوب بل فيه تخيير، فلما قال عمرؓ: حسبنا كتاب الله المريكرر رسول

الله صلى الله عليه وسلم ذلك، ولو كان ماأراد لازما لاوصاهم به كما اوصاهم فى تلك الحالة مشافهة باخراج المشركين من جزيرة العرب وباكرام الوفود، وقد افادت رواية صحيحة ان طلبه الكتابة كان يوم الخميس قبل وفاته بأربعة ايام، ولو كان واجبا لم يتركه لاختلافهم لانه لم يترك التبليغ لمخالفة من خالف، وقدكان الصحابة يراجعونه فى بعض الامور مالم يجزم بالامر (۲۳)

اصح السیر میں مولانا عبدالرؤف داناپوریؒ نے ''واقعۂ قرطاس اور آخری وصیت'' کے عنوان سے واقعہ لکھا ہے۔ پہلے صحیحین کی روایات واحادیث کی تلخیص لکھی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد راویوں عبیداللہ بن عبداللہ اور سعید بن جبیر اور بعد کے دو راویوں سلیمان بن ابی مسلم الاحول استاد سفیان بن عیینہ کی روایات کے حوالے سے پنج شنبہ کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد مولانا موصوف نے لکھا ہے کہ ''قطعی طور پر یہ نہ معلوم ہوسکا کہ حضور ﷺ کیا لکھوانا چاہتے تھے'' ......اس کا بیان کرنا ضروری ہوتا تو حضرت عمرؓ یا کسی اور کے اختلاف کی وجہ سے آپ اس کو قطعاً موقوف نہ کرتے۔ ممکن ہے کہ وہی باتیں ہوں جن کو آپ نے پیچھے بیان کردی (؟) اصل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے جب مشاجرات صحابہ کو خود ملاحظہ فرمایا تو اس کا ان پر بہت اثر ہوا۔ انہوں نے خیال کیا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کوئی ایسی بات لکھواتے جس سے صحابہ میں اختلافات نہ ہوتے اور اسی لئے وہ روئے، روافض واہل سنت کے قضیئے کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ شدید بیماری کی حالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے اور لوگوں کو اس سے روکنا ان کے غایت خلوص اور محبت کی دلیل ہے۔ اس روکنے کو طعن کا ذریعہ بنانا بڑی سخت بددیانتی ہے۔ ہاں جن لوگوں نے یہ کہا کہ اھجر استفھموہ (یعنی کیا حضور بے ہوشی کی حالت میں کہہ رہے تھے پوچھ کر تحقیق کرلو) ان کا یہ کہنا غلط اور ناجائز (؟) طریقہ استدلال تھا مگر یہ جملہ حضرت عمرؓ کا نہیں ہے بل کہ ان لوگوں کا ہے جو حضرت عمرؓ کی رائے کا خلاف کررہے تھے...... کہنے والے نے بھی استفہام انکاری کے صیغے میں کہا، وہ اس کا قائل نہ تھا،...... یہ جملہ بہترین روایات میں استفہام انکاری کے صیغے میں مروی ہے۔ بعض روایتوں میں بلا استفہام بھی آیا ہے مگر وہ بھی اسی پر محمول ہے۔ واللہ اعلم۔ (۲۴)

پیغمبر انسانیت میں مولانا شاہ محمد جعفر پھلوارویؒ نے ''مختلف احادیث قرطاس'' کے عنوان سے چند اصولی مباحث پیش کیے ہیں:

☆ مسند عائشہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے فرمایا کہ کوئی جلد یا تختی لے آتا، کہ میں ابوبکر کے حق میں ایک تحریر لکھ کر اختلاف کا دروازہ بند کردوں۔ پھر ان کو روک دیا اور فرمایا کہ اللہ اور مومنین کو یہ منظور ہی نہ ہوگا کہ مجھ پر اختلاف کیا جائے۔

☆ صحیح بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایسا ہی فرمان عبداللہ بن ابی بکرؓ کے ذریعے حضرت ابوبکرؓ کے حق میں لکھوانا چاہتے تھے، پھر روک دیا۔

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ترک کتابت فرمان سے جمہوریت کے اصول کو توڑنا پسند نہیں فرمایا۔ بخاری کی حدیث کی تلخیص بھی دی ہے۔

☆ حسبنا کتاب اللہ کے دوسرے عنوان کے تحت حضرت عمرؓ کے موقف کو خدائی بات قرار دے کر یہ لکھا ہے کہ اس موقعے اور حجۃ الوداع کے خطبے دونوں کو ملا کر دیکھا جائے کہ منشائے نبوی کو تاڑنے میں حضرت عمرؓ نے ٹھوکر نہیں کھائی۔ پھر تین وصایا لکھوانے کا ذکر کیا ہے۔ (۲۵)

سیرۃ المصطفیٰ میں مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے واقعہ قرطاس پر بحث اسی عنوان کے تحت خاصی مختصر کی ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ پر شیعی اعتراض سے آغاز کر کے اس کا جواب لکھا ہے کہ اس حکم پر مخاطب خاص حضرت عمرؓ نہ تھے بل کہ تمام حاضرین حجرہ سے کاغذ قلم دوات لانے کو فرمایا تھا، اور ان میں حضرات علی و عباس بھی تھے اور وہ جب نہیں لائے تو معلوم ہوا کہ ان دونوں کی رائے بھی حضرت عمرؓ کے موافق تھی کہ اس عالم تکلیف میں حضور پرنور کو تکلیف نہ دی جائے اور وہ اگر حکم فرض تھا تو تمام حاضرین گناہ گار ہوئے۔ حضرت عمرؓ کی کیا خصوصیت کہ جو خاص ان ہی کو مورد طعن بنایا جائے۔..... آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانچ روز اس عالم میں تشریف فرما رہے، نہ تو حضور نے دوبارہ کاغذ قلم دوات حاضر کرنے کا حکم دیا اور نہ حضرات اہل بیت اور نہ دیگر اصحاب میں سے کسی نے اس بارے میں عرض کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی امر واجب نہ تھا ورنہ حضور پرنور خود ضرور لکھوا دیتے.....''۔ مولانا مرحوم نے اس کے بعد سورہ مائدہ: ۶۷، یایھا الرسول بلغ ماانزل الیك الخ نقل کر کے حضرت امیر کے اس حکم نبوی کی عدم تعمیل کا پھر ذکر کیا ہے اور اس کے لئے صلح حدیبیہ کے صلح نامے سے لفظ رسول اللہ مٹانے کے حکم نبوی کی مثال دی ہے۔ اسے اگرچہ معصیت کہا ہے مگر اسے کمال محبت اور کمال عظمت سے تعبیر کیا ہے، جس پر ہزاروں طاعتیں قربان ہیں۔ پھر قول حضرت عمرؓ کی تعبیر کی ہے کہ قرآن کافی ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمیں حدیث کی حاجت نہیں بل کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین مکمل ہو چکا ہے..... حضرت عمرؓ کی یہ گزارش عین محبت اور عین خیر

خواہی ہے۔ معاذ اللہ نافرمانی اور حکم عدولی نہیں۔ پھر خلافت ابی بکر اور خلافت علی کی تجاویز سنی وشیعہ پر مختصر بحث کی ہے اور خلافت ابی بکرؓ کے لئے یابی اللہ والمنون الا ابابکر اور خلافت علی کے لئے حدیث عدیر خم کا جواب بہ طور الزام دیا ہے۔ مولانا مرحوم کی اس پوری بحث میں کسی حدیث کی کتاب وماخذ کا کوئی حوالہ نہیں آیا ہے۔ (۲۶) دوسرے اردو سیرت نگاروں نے صرف حدیث کی مختصر مختصر تلخیص کردی ہے اور بحث سے زیادہ سروکار نہیں رکھا۔ ان میں شامل ہیں:

☆ قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ رحمۃ للعالمین، دہلی ۱۹۸۰ء: ج ۱، ص ۲۴۷: پانچ سطریں متن میں اور حاشیے میں حدیث بخاری از عبید اللہ بن عبداللہ الخ

☆ صفی الرحمٰن مبارک پوری۔ الرحیق المختوم، اردو، علی گڑھ ۱۹۸۸ء: ص ۷۲۹ بہ حوالہ متفق علیہ، بخاری: ج ۱، ص ۲۲، ۴۲۹، ۴۴۹ وغیرہ۔ (مولانا مبارک پوری حضرت قاضی موصوف کے پورے مقلد ہیں، حتی کہ وہ عناوین سیرت اور مواد وغیرہ سب ان سے اخذ کرتے ہیں اور ان کی غلطیاں بھی اخذ کرتے ہیں)

☆ مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی۔ السیرۃ النبویۃ، دارالشروق جدہ ۱۹۸۹ء، ۴۰۰ ومابعد نے واقعہ قرطاس کا سرے سے حوالہ ہی نہیں دیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۰۸۔۲۰۰۲) جدید سیرت نگاروں میں ایک بڑے مقام کے مالک۔ ہیں کہ صاحب فکر ہیں اور ان کا مطالعہ وسیع ان کی فکر سازی کرتا ہے۔ انہوں نے محمد رسول اللہ میں واقعہ قرطاس پر بہت مختصر لکھا ہے لیکن اس کی بعض نئی جہات بیان کی ہیں۔ انہوں نے آخری ایام حیات کے کے بارے میں مختلف واقعات وحوادث کے ضمن میں لکھا ہے:

..... کچھ اور صحابی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے آئے۔ ان میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ اپنی وصیت تحریر کرادیں۔ چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ اور قلم لانے کا حکم دیا۔ پھر صحابہ میں بحث چھڑ گئی کہ آیا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت تحریر کرانے کی زحمت دی جائے یا نہیں جب کہ وہ پہلے ہی ہر بات امت کو بتا چکے ہیں (درحقیقت صحابہ کو جنگ احد کے واقعات یاد تھے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برہم کردیا تھا اور انہیں وہ کام کرنے کو کہا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس کا نتیجہ جنگ میں ہزیمت کی شکل میں برآمد ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے مسجد نبوی میں اپنی تقریر کے دوران جنگ احد کا تفصیلی تذکرہ کیا تھا) جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں بحث ہوتے سنی تو انہوں نے سب کو چلے جانے کا حکم دے دیا۔(۲۷)

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اس بیان میں تین چار نئی باتیں کہی ہیں:

۱۔ کچھ صحابہ کرام نے ملاقات کی اور وصیت لکھوانے کی التجا کی، یہ واقعہ قرطاس کا بالکل نیا پہلو ہے۔ کسی اور نے اس کو نہیں لکھا۔ لیکن موصوف کی کسی ماخذ سے اس کی تصدیق ہونی باقی ہے۔

۲۔ انہوں نے اسے وصیت کا رنگ دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آخری وصیت لکھوانی چاہی۔

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس اس کتاب/ وصیت کو لکھوانے کی پیش کش نہیں کی تھی۔

۴۔ وصیت تحریر کرانے پر اختلاف صحابہ کو غزوہ احد کے معاملے پر اختلاف صحابہ کے مماثل قرار دیا، جب بعض جوشیلے صحابہ نے کھلے میدان جنگ میں قتال پر اصرار کیا تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف تھا۔

آخری نکتہ بھی قابل بحث ہے کیوں کہ یہاں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مشورہ اپنی پسند کے باوجود مان لیا تھا، مگر واقعہ قرطاس میں اختلاف کی وجہ سے ترک کر دیا۔ یہ خالص قیاسات حمیدی پر مبنی بیان ہے، لہٰذا اس کو قبول کرنا مشکل ہے، پھر اس کے استناد کے لئے کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔

مبحث سوم: دقائق صوفیانہ

صوفیہ کرام اور ان کے حقائق و معارف کے بارے میں ایک عام و مشہور غلط فہمی یہ ہے کہ ان کے مآخذ علم وفن صرف کشف والہام جیسے مابعد الطبیعاتی ذرائع ہیں اور ان کا اکتسابی علوم شریعت بالخصوص قرآن وحدیث سے ذرا واسطہ نہیں، عام صوفیہ اور تصوف مروجہ کے علم بر داروں نے الہام وکشف وکرامات پر ضرورت سے زیادہ زور دے کر اس غلط فہمی کو عام کیا ہے۔ ناقدین تصوف نے کچھ ان اشتہاراتِ متصوفہ کی بنا پر اور زیادہ تر اپنی کم علمی اور مخالفت کی وجہ سے اسی میں مبتلا رہنا پسند کیا۔ حال آں کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تصوف کے علم اور عمل دونوں کے مآخذ اسلامی علوم وفنون ہی ہیں اور مابعد الطبیعاتی حوالے بعد میں آتے ہیں۔(۲۸)

اکابر صوفیہ کا ایک سلسلہ زریں ہے، جو اپنے اپنے زمانے اور اپنے اپنے علاقے میں عظیم ترین علما ومحدثین میں شمار ہوتے تھے، ان کا نصاب تصوف دراصل نصاب شریعت کی تکمیل کے بعد ہی شروع ہوتا تھا، کیوں کہ علوم شرعی میں کمال کے بغیر وہ کمال باطن نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ متعدد شیوخ واکابر صوفیہ نے

اپنے خاص مریدوں اور مخصوص سالکوں کو علوم شریعت کی تکمیل کی ہدایت کی اور خود ان بزرگ مشائخ واکابر نے علوم دینی کی تکمیل ومہارت کے بغیر علوم ومعارف باطن کے خطرناک میدان میں قدم نہیں رکھا۔ ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ علوم دینی اور معارف شرعی میں مہارت وصداقت کے بغیر علوم تصوف واعمال صوفیہ ضرر رساں ہی ہوتے ہیں۔(۲۹)

تمام بزرگ صوفیہ کرام اور ان میں سے صاحبان قلم ونگارش خاص طور سے شیوخ اور مرشدین کے ساتھ ساتھ مریدین اور سالکین کے لئے الگ الگ نصاب درس دینی تجویز کرتے ہیں اور علوم دین وشریعت کا اپنا اپنا نصاب بناتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (احمد بن عبدالرحیم فاروقی، ۴؍شوال ۱۱۱۴/ ۲۱؍فروری ۱۷۰۳۔ ۲۹؍محرم ۱۱۷۶/ ۲۰؍اگست ۱۷۶۲) نے اپنے زمانے کے مرشدین اور مسترشدین دونوں کے لئے الگ الگ نصاب شریعت تیار کیا تھا اور ان کی تکمیل کے بغیر وہ مرید وسالک کو راہ سلوک میں قدم دھرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور مشائخ ومرشدین کو مسند وسجادے پر بیٹھنے سے منع کرتے تھے۔(۳۰)

اکابر صوفیہ اور عبقریات تصوف نے خالص دینی علوم اور شرعی فنون میں بھی اپنی علمی وتحقیقی تصانیف چھوڑی ہیں۔ ان میں قرآن وحدیث اور فقہ کے علاوہ علم کلام وفلسفہ اور دوسرے متعدد علوم شریعت کے ساتھ سماجی علوم وفنون شامل ہیں۔ اہل قلم صوفیہ کی خالص صوفی نگارشات میں بھی علوم شریعت ودین کے بہت سے قیمتی مباحث ملتے ہیں، جو ان کے علمی تبحر کے ثبوت ہیں۔ قرآن مجید کی تفسیر وتاویل، حدیث شریف کی تشریح وتعبیر اور فقہ اسلامی کی تحقیق وتفتیش میں وہ خالص ان علوم وفنون کے ماہرین سے کسی طرح کم تر نہیں ہیں۔ امام غزالی (ابوحامد محمد بن محمد طوسی، ۴۵۰/ ۱۰۵۸۔ ۵۰۵/ ۱۱۱۱) کی احیاء علوم الدین، امام قشیری (ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن، ۳۷۶/ ۹۸۶۔ ۴۶۵/ ۱۰۷۲، خراسانی امام) کی تفسیر لطائف الاشارات اور تصوف کا شاہ کار ''رسالہ قشیریہ'' علوم شریعت وطریقت میں امتزاج کی چند مثالیں ہیں۔

برصغیر پاک وہند میں متعدد اکابر صوفیہ اور مشائخ عظام نے اسلامی علوم وفنون کے ساتھ علوم طریقت میں بھی عظیم کارنامے انجام دیئے۔ ان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ (احمد بن عبدالاحد سرہندی، ۱۴؍شوال ۹۷۱/ ۱۶؍مئی ۵۶۴۔ ۲۸؍صفر ۱۰۳۴/ ۳۰؍نومبر ۱۶۲۴) اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے علوم شریعت وطریقت میں غیر معمولی تصانیف چھوڑیں۔ بالخصوص موخر الذکر نے قرآن وحدیث، فقہ وکلام، تصوف وفلسفہ اور سماجیات ونفسیات پر پورا ایک کتب خانہ تیار کر دیا ہے۔ ان کی نگارشات تصوف بھی علوم اسلامی کے معارف ودقائق سے عاری نہیں ہیں۔ ان کا خاص امتیاز یہ ہے کہ وہ طریقت پر شریعت کو ہمیشہ

ترجیح دیتے ہیں، حتیٰ کہ سلوک الی اللہ کے دو طریقوں میں سے طریق ولایت کو فروتر اور کم زور اور طریق نبوت کو بہتر اور یقینی بناتے ہیں۔ (۳۱)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات امام ربانی میں متعدد علوم اسلامی کے معارف و دقائق موجود و مستور ہیں۔ ان کے ان کمالات پر بیش قیمت تحقیقات روز بہ روز سامنے آ رہی ہیں اور تصوف کے علاوہ خالص معارف دینی کی ایک نئی تعبیر مل رہی ہے، اس مقالے میں اس طویل مگر ضروری تمہید کے بعد حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوب میں واقعہ قرطاس کے حوالے سے ہی بحث کرنی مقصود ہے کہ وہ ہمارے اس سہ گانہ مطالعے کا تیسرا زاویہ پیش کرتا ہے۔ حضرت مجددؒ نے مکتوبات کے دفتر دوم کے مکتوب نمبر ۹۶ میں اس اہم واقعہ سیرت و شریعت پر خاص صوفیانہ نظر ڈالی ہے۔ ذیل میں اسی کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔

واقعہ قرطاس کی مجددی تحقیق

خواجہ ابوالحسن کشمیؒ (م گیارہویں/سترھویں صدی) نے حضرت مجددؒ کو اس موضوع پر ایک مراسلہ بھیجا تھا۔ حضرت مجدد نے ان کے مراسلے کے تمام ضروری نکات اپنے مکتوبِ مذکورہ بالا میں نقل کر کے ان کے جوابات بہ شکل مقدمات لکھے تھے۔ بہ ظاہر یہ مقدمات اور دقائق صرف واقعہ قرطاس سے متعلق معلوم ہوتے ہیں، لیکن حضرت مجددؒ کی وسیع الجہات بصیرت اور علمیت ان کو صحابہ کرام کے مقام بلند اور خلافت اسلامی کے بعض اہم ترین امور کا مرقع علمی بھی بنا دیتی ہے، کیوں کہ وہ معرفت واحدہ سے معارف کلیہ کی طرف صعود فرماتے ہیں۔ اس بحث میں حضرت مجددؒ کی علوم شریعت و دین پر ماہرانہ گرفت اور اس سے زیادہ حکیمانہ بصیرت کا ثبوت ملتا ہے۔

سوال مرید نقل کرنے سے اگرچہ تکرار کا الزام عائد ہوتا ہے، تاہم اس سے حضرت مجددؒ کے جواب کی تفہیم بہتر طور سے ہوتی ہے۔

سوال: خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے مرض الموت میں کاغذ طلب کیا اور فرمایا: **ایتونی بقرطاس اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدی**...... اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ کاغذ لانے سے منع کر دیا۔ اور فرمایا: **حسبنا کتاب اللہ** ...... اور یہ بھی فرمایا: **اھجر استفھموہ**...... اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ** اور وحی کی تردید اور اس سے روکنا کفر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ** ...... اور پھر یہ بھی ہے کہ

پیغمبر پر ہذیان اور ہجر کو تجویز کرنا اس کی شریعت سے اعتماد رفع کرنے کو مستلزم ہے۔

جواب: کی غلط باتوں کے محل متعین نہ کریں تو کم از کم شائد اس قدر جان لیں کہ ان شکوک کا نتیجہ اور ان شبہات کا حاصل بے فائدہ ہے، بل کہ ہدایت اور ضرورت اسلامیہ سے ٹکر لینے والا ہے اور کتاب وسنت کی رو سے مردود ومطرود ہے۔ اس کے باوجود اس سوال کے جواب میں اور اس شبہ کے غلط مواد کی تعیین میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے چند مقدمے لکھے جاتے ہیں۔ ان کو سنیں، ان اشکال کا پورا پورا حل چند ایک مقدمات پر مبنی ہے، اگر چہ ہر مقدمہ ایک علیحدہ جواب بھی ہے۔ (۳۲)

حضرت مجددؒ نے اس کے بعد چھ مقدمات کو مختصر اور نسبتاً مفصل دونوں طریقوں سے لکھا ہے۔ ان کی تلخیص مقدمہ بہ مقدمہ دی جاتی ہے۔

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معقولات اور منطوقات وحی کے ذریعے نہ ہوتے تھے اور آیت کریمہ: **وماینطق عن الھویٰ** قرآنی نطق کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ تفسیر نے اس کو بیان کیا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام کہی باتیں وحی کے مطابق ہوتیں تو آپ کے بعض کلام پر اعتراض وارد نہ ہوتے اور ان سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: **عفاالله عنك، لم اذنت لهم**..... (۳۳)

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اجتہادی احکام اور امور عقلیہ میں بہ موجب آیت کریمہ: **فاعتبروا یاولی الابصار** اور آیت کریمہ: **وشاور هم فی الامر** صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت گو کی گنجائش تھی اور ان میں رد وبدل کی مجال تھی۔ کیوں کہ قیاس کا امر اور مشورے کا امر رد وبدل حاصل ہوئے بغیر کوئی صورت نہیں رکھتا۔ اور بدر کے قیدیوں کے فدیئے اور قتل کے متعلق جو اختلاف واقع ہوا تھا اور حضرت فاروقؓ نے ان کے قتل کا فیصلہ کیا تھا تو وحی فاروق کی رائے کے مطابق آئی اور فدیہ لینے پر وعید نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمرؓ اور سعد بن معاذؓ کے اور کوئی نجات نہ پاتا، کیوں کہ حضرت سعدؓ نے بھی ان قیدیوں کے قتل کا اشارہ کیا تھا۔ (۳۴)

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ سہو اور نسیان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جائز ہے، بل کہ واقع ہے۔ ذوالیدینؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت والی فرض نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو ذوالیدینؓ نے عرض کیا: **أقصرت الصلوٰة ام نسيت يا رسول الله؟** ''کیا نماز کم ہوگئی یا اے اللہ کے رسول آپ بھول گئے ہیں'' تو ذوالیدینؓ کی بات ثابت ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور دو رکعت اور ان کے ساتھ ملائیں اور سجدہ سہو کیا۔ (۳۵)

جب سہو اور نسیان صحت اور فراغت کی حالت میں بہ تقاضائے بشریت جائز ہو تو مرض الموت کے درد کے غلبے کے وقت بہ تقاضائے بشریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے قصد اور بے اختیار کلام کا صدور کیوں کر جائز نہ ہوگا اور احکام سے اعتماد کیوں اٹھ جائے گا، کیوں کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ یقینی وحی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو اور نسیان پر اطلاع فرما دیتا تھا اور درست کو غلط سے الگ کر دیتا تھا۔ کیوں کہ غلطی پر نبی کا قائم رہنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ احکام شرعیہ سے رفع اعتماد کو مستلزم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ محض سہو ونسیان احکام شرعیہ سے رفع اعتماد کا موجب نہیں ہے، بل کہ سہو ونسیان پر قائم رہنا رفع اعتماد کو مستلزم ہے، اور یہ تو طے شدہ چیز ہے کہ اس پر قائم رہنا جائز نہیں ہے۔ (۳۶)

چوتھا مقدمہ یہ ہے کہ حضرت فاروقؓ بل کہ خلفائے ثلاثہؓ کو کتاب وسنت میں جنت کی بشارت دی گئی ہے اور وہ حدیثیں جو کہ خاص طور پر ان کو جنت کی بشارت کے متعلق وارد ہوئی ہیں وہ اپنے معتبر رواۃ کی کثرت کے سبب سے حد شہرت بل کہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ ان کا انکار یا تو جہالت کی بنا پر ہے یا عناد کی بنا پر۔ صحیح اور حسن حدیثوں کے راوی اہل سنت ہیں۔ جنہوں نے اپنے اساتذہ صحابہ وتابعین سے ان کو روایت کیا ہے اور تمام مخالف فرقوں کے رواۃ کو اگر اکٹھا کریں تو معلوم نہیں کہ اہل سنت راویوں کے عشر عشیر کو بھی پہنچیں۔ اور اہل سنت کی احادیث کی کتابیں ان اکابرین کو جنت کی بشارت سے بھری پڑی ہیں۔ ان اکابر کو جنت کی بشارت کا ثبوت تو قرآن مجید ہی سے کافی ہے اور وہ کافی آیات ہیں حضرت مجددؒ نے اس کے بعد سورہ توبہ: ۱۰۰، سورہ حدید: ۱۰۔۱۱، اور سورہ فتح: ۱۸ کو نقل کر کے مزید لکھا ہے کہ فتح مکہ سے قبل اور فتح مکہ کے بعد خرچ کرنے والے صحابہ کے دونوں طبقات کو جنت کی بشارت دی گئی اور ان کی عظمت تسلیم کی گئی ہے۔ پھر امام محی السنہ بغوی کی تفسیر معالم التنزیل سے حضرت جابرؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ بیعت رضوان میں شریک کسی شخص کو دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا، لہٰذا ایسے صحابہ کو کافر کہنا بدترین کفر ہے۔ (۳۷)

اور پانچواں مقدمہ یہ ہے کہ حضرت فاروقؓ کا کاغذ لانے میں توقف کرنا رد وانکار کی وجہ سے نہ تھا۔ اس طرح کی بے ادبی اس پیغمبر کے وزیروں اور ہم نشینوں سے کیسے سرزد ہو سکتی جو خلق عظیم سے متصف ہے، بل کہ کسی ادنی صحابی سے جو کہ ایک یا دو بار صحبت خیر البشر سے مشرف ہوا ہو، اس معنیٰ کی توقع نہیں ہو سکتی بل کہ آپ کی امت کے عوام سے بھی جو کہ اسلام کی دولت سے سعادت مند ہوئے اس قسم کے رد وانکار کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اکابر دین کے ساتھ بدظنی نہ کریں۔ بل کہ حضرت فاروقؓ کا مقصد سمجھنا اور استفسار کرنا تھا، چناں چہ آپ نے فرمایا: استفهموه۔ یعنی اگر آپ اہتمام واصرار سے کاغذ طلب فرمائیں تو لے آیا جائے۔

حضرت مجددؒ کا یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے کہ صحابہ کرام عدول تھے، اسلام کے شیدائی اور رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے، صحبت نبوی سے مشرف ہو چکے تھے لہٰذا ان کا ایمان وعقیدہ، محبت وعقیدت اور صحبت نبوی سے سرفرازی ان کو ردوانکار کی جسارت ہی نہیں دے سکتی تھی۔

اور اگر اس معاملے میں اصرار نہ کریں تو ایسے نازک وقت میں ان کو تکلیف نہ دی جائے، کیوں کہ اگر انہوں نے وحی سے یا حکماً کاغذ طلب کیا ہوگا تو تاکید اور مبالغے سے کاغذ طلب کریں گے اور جو ان کو حکم ہوا ہے وہ لکھیں گے کہ وحی کی تبلیغ نبی پر واجب ہے، اور اگر یہ طلب وحی کی بنا پر یا حکماً نہیں ہے بل کہ آپ چاہتے ہیں کہ اپنے اجتہاد وفکر سے کوئی چیز لکھ دیں تو وقت اس کی موافقت نہیں کرتا۔ اجتہاد کا مرتبہ تو آپ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ آپ کی امت کے استنباط کرنے والے کتاب اللہ سے، جو دین کا اصل الاصول ہے، احکام اجتہادیہ کا استنباط کریں گے۔

اور جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جو کہ نزول وحی کا وقت ہے، اجتہاد کرنے والوں کے استنباط کی گنجائش ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جو کہ انقطاع وحی کا زمانہ ہوگا، بہ طریق اولیٰ اہل علم کا اجتہاد واستنباط مقبول ہوگا۔ اور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں اصرار واہتمام نہ کیا، بل کہ اس امر سے منہ پھیر لیا تو معلوم ہوگیا کہ وہ وحی کے ذریعے نہ تھا اور وہ توقف جو صرف استفسار کی بنا پر ہو وہ بُرا نہیں ہے۔

حضرت مجددؒ نے اس کے بعد خلافت آدم علیہ السلام کے بارے میں ملأ اعلیٰ کے اللہ تعالیٰ سے استفسار کا ذکر سورہ بقرہ: ۳۰ کے حوالے سے کیا ہے۔ اور حضرات زکریا ومریم علیہما السلام کے اولاد کے پیدا ہونے کے بارے میں استفسارات کا ذکر سورہ مریم: ۸، ۲۰ کی آیات کریمہ کے پھر لکھا ہے: اور حضرت فاروقؓ نے بھی استفہام کی بنا پر کاغذ لانے میں توقف کیا ہو تو کیا حرج ہے۔

حضرت مجددؒ کی یہ پوری بحث شارحین حدیث اور کاملین سیرت کی بحثوں پر بھاری ہے، اور ان پر بہت قیمتی اضافے کرتی ہے۔ عہد نبوی میں اجتہاد کی گنجائش اور بعد کے زمانوں میں اجتہاد کی ضرورت وعمل پر ان کا ارشاد بہت نادر ہے۔ وہ باب اجتہاد کے بند کرنے کے نظریے کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کے اجتہادات کا خاص نظریہ وعمل ثابت کرتا ہے۔ اس پر مزید بحث کی ضرورت ہے۔

اور چھٹا مقدمہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے حسن ظن کی ضرورت ہے۔ اور یہ جاننا چاہئے کہ بہترین زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا اور آپ کے صحابہ کرام انبیا علیہم السلام کے بعد بنی آدم میں سے بہترین انسان ہیں، اور

جولوگ انبیا علیہم السلام کے بعد بہترین بنی آدم ہوں وہ امر باطل پر اجماع نہیں کر سکتے۔ اور خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے جانشین کافر اور فاسق لوگ نہیں بنائے جا سکتے۔ یہ امت قرآنی نص کی بنا پر خیر الامم ہے اور اس امت میں سے بہترین لوگ وہی ہیں، کیوں کہ کوئی ولی بھی کسی صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت مجددؒ کی اس بحث کے دو نکات لائق توجہ ہیں:

۱۔ صحابہ کرام خیر امت کے بہترین لوگ ہیں لہٰذا وہ امر باطل پر جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ پوری بحث مفصل کا خلاصہ ہے جو احادیث واحکام میں آتا ہے۔

۲۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور خلفا کافر وفاسق نہیں ہو سکتے۔ وہ خلافت راشدہ اور بعد کے اسلامی خلافت کے ادوار کا ایک اشاریہ ہے۔ اور تصوف کے لحاظ سے ولی کا مرتبہ کسی ادنیٰ صحابی سے بھی میل نہیں کھا سکتا، یہ بحث خاص ہے ان لوگوں کے لئے جو اہل تصوف ہیں۔

اگر حضرت فاروقؓ کا کاغذ لانے سے روکنا کفر ہوتا تو حضرت صدیق اکبر، جو کہ قرآنی نص کی بنا پر اس بہترین امت میں سے پرہیز گار ترین انسان تھے، وہ آپ کی خلافت کی تصریح نہ کرتے، اور مہاجرین وانصار کہ حضرت سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے قرآن مجید میں ان کی تعریف وثنا فرمائی ہے۔ آپ سے بیعت نہ کرتے اور ان کو پیغمبر کا جانشین نہ بناتے۔ اور جب رسول اللہ کی صحبت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے حسن ظن، جو کہ محبت کا مقدمہ ہے، حاصل ہوا تو اس قسم کے شبہات کی مزاحمت سے نجات میسر ہو گئی۔

حضرت مجددؒ نے صرف شیخین کی خلافت اور ان کے باہمی اعتماد واجانشینی کا ذکر بہ طور مثال کیا ہے، کیوں کہ اس باب میں خاص حضرت عمر فاروق کی ذات والا صفات کو مورد طعن بنایا جا رہا تھا۔ پھر حضرت فاروق تنہا روکنے والے نہ تھے، صحابہ کی پوری جماعت تھی۔

اور ایسے اعتراضات کا بطلان عقل سے معدوم ہو گیا۔ حضرت مجددؒ نے اس کے بعد حضرات صحابہ کرام سے محبت کرنے اور ان کا احترام کرنے کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واحترام کو مستلزم مانا اور صحابہ کرامؓ سے بغض اور دشمنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کو مستلزم قرار دے کر بدگمانی کو اصل مالک (حق سبحانہ تعالیٰ) تک جانے کا ذکر کیا ہے۔

حضرت مجدد کا یہ نکتہ بھی بہت اہم ہے جس نے حدیث وواقعہ قرطاس کی تشریحی جہات میں بہت نادر اضافہ کیا ہے کہ یہ نکات کسی اور کے ہاں نہیں ہیں۔

حضرت مجدد نے اس طویل اور مفصل بیان مقدمات کے بعد لکھا ہے کہ ان مقدمات کا مجموعہ ایسے اعتراضات کے دفیعے میں دلیل سے گزر کر فراست میں لے آتا ہے۔ فراست کا لفظ احتیاطاً زبان پر

لایا ہوں ورنہ ایسے اعتراضات کا بطلان بالکل بدیہی ہے اور وہ مقدمے اس ہدایت پر تنبیہات کی قبیل سے ہیں۔ حضرت مجددؒ نے اس قسم کی شبہات کی مثال بھی دی ہے کہ کوئی صاحب فن کسی پتھر کو اپنے دلائل سے سونا ثابت کردے اور بے وقوف لوگ اس کے دلائل کا فیصلہ نہ کرنے کے سبب اسے سونا مان لیں، اسی طرح ملمع شدہ مقدمات و باطل اعتراضات سے کچھ لوگ خلفائے ثلاثہ بل کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی بزرگی اور بلندی درجات پر طعنہ زنی کرتے ہیں، حال آں کہ ان کی بزرگی اور طہارت و بلندی کتاب وسنت سے ثابت ومشاہد ہے۔

حضرت مجددؒ نے سب وشتم اور اسلام کے اسلاف واکابر پر طعنہ زنی اور گالم گلوچ کو اسلامی شریعت کے خلاف قرار دیا ہے، حتیٰ کہ دشمنان اسلام مثلاً ابوجہل وابوطالب پر طعنہ زنی کو غلط سمجھا گیا ہے اور اسے کسی طور کرامت وعبادت نہیں شمار کیا گیا ہے۔

حضرت مجددؒ کی یہ تشریح وتفصیل خاص تشیع کے مطاعن صحابہ اور مطاعن شیخین کے حوالے سے ہے، اور وہ بالکل بدیہات میں سے ہے۔)

صحابہ کرام کے درمیان رحمت ومحبت اور تعلق خاطر کا اثبات سورۂ فتح:۲۹ سے کیا ہے اور ان کے دلوں سے کینہ وبغض نکال لینے کا بیان الٰہی پیش کر کے کہا ہے کہ ان سے کینہ وعداوت رکھنا نصِ قرآن کے خلاف ہے۔ حضرت مجددؒ نے صحابہ کرامؓ کے دو یا زیادہ فریقوں کے درمیان کینہ وعداوت کا اثبات کرنے کو غلط ٹھہرایا ہے کہ اس کی وجہ سے سب مطعون ہوں گے۔ اور اس کے بعد خلفائے راشدین اور حضرات علیؓ ومعاویہؓ کے درمیان خلافت کے معاملے پر اختلاف طرفین کے بارے میں لکھا ہے کہ دونوں فریقین کے پاس ان کے موقف کی دلیل تھی، لہٰذا وہ طعن وملامت اور تفسیق وتکفیر کے مستحق نہیں۔

تنقیدی محاکمہ

سیرت نبوی کا ایک اہم واقعہ واقعہ قرطاس اور حدیث نبوی کا ایک اہم تریان حدیث قرطاس۔ اگر چہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں، تاہم ان کی دو حیثیتیں ہیں: ایک تاریخی معاملے کی اور دوسرے ایک دینی مسئلے کی اور ان دونوں جہات کے سبب اسلامی علوم وفنون کے دو اہم ترین علوم حدیث وسنت اور سیرت وسوانح کے ماہرین نے اس سے اعتنا کیا ہے۔ بعض دوسری وجوہ سے جن کا ذکر آگے آتا ہے، اس معمول کے واقعہ سیرت اور فرمان وحدیث نبوی کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔ ان وجوہ سے اس واقعہ وحدیث کو غیر معمولی حیثیت وخصوصیت مل گئی اور اس نے اسلامی ناقدین کو مواقع نقد بھی دیئے ہیں۔

بیان وترسیل کے اعتبار سے ہر طبقہ علما و ماہرین میں، خواہ قدیم ہوں یا جدید، دو قسم کے اہل قلم ملتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو اپنی کتب ونگارشات میں اس حدیث وواقعے کو تفصیل کے ساتھ یا اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں، جیسے محدثین اکرام میں امامان عظیم بخاری ومسلم اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہیں۔ ان کے بعض معاصرین اور متبعین میں بھی بعض ہم نوا ملتے ہیں۔ مورخین قدیم اور سیرت نگاران اولین میں امامان فن واقدی وابن سعد سرفہرست ہیں اور ان کے ساتھ بلاذری اور طبری وغیرہ شامل ہیں۔ جدید سیرت نگاروں میں شبلی نعمانی اور ان کے جامع سید سلیمان ندوی اولیت کا شرف رکھتے ہیں اور متعدد دوسرے جیسے عبدالروف دانا پوری، محمد ادریس کاندھلوی، محمد جعفر شاہ پھلواری وغیرہ مفصل مباحث کرتے ہیں تو قاضی سلیمان منصوری وغیرہ مختصر بیانات دیتے ہیں۔ صوفیہ کرام میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے خاص اسی مسئلے پر ایک مکتوب میں مفصل اور مدلل شرح پیش کی ہے۔ ممکن ہے کہ دوسرے بھی ہوں۔

دوسرے وہ اہل فن ہیں جنہوں نے اس واقعے اور حدیث کو سرے سے قابل اعتنا نہیں سمجھا اور ان کی وجوہ ان ہی کو معلوم تھیں۔ قدیم وجدید محدثین کرام میں بہت سے اکابر ہیں جن کے ہاں حدیث قرطاس نہیں آئی ہے۔ ان میں امام مالک سرفہرست اور اہم ترین ہیں۔ سیرت نگاروں کے امام ابن اسحاق اور ابن ہشام نے اپنی متداول کتب سیرت میں اس بحث کو سرے سے نہیں آنے دیا، لہٰذا ان کے بہت سے شارحین جیسے سہیلی وغیرہ کے ہاں بھی اس کا ذکر یا حوالہ نہیں ملتا۔ ابن ہشام کے دوسرے پیروکار بھی ہیں۔ صوفیہ کرام کا وہ اصل مبحث ہی نہ تھا، لہٰذا ان سے توقع رکھنی بے جا ہے۔ ان میں سے بیشتر کے ہاں یہ واقعہ سیرت وحدیث مذکور نہیں ہے۔

اسناد حدیث وواقعہ

فن رجال اور نقد حدیث وسیرت کے اعتبار سے ایک اہم بحث یہ ہے کہ حدیث وواقعہ قرطاس کی اسناد کیا اور کیسی ہیں؟

صحیحین کی تمام احادیث قرطاس شیوخ ورواۃ بخاری ومسلم کے ذریعہ صرف ایک صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عباس ہاشمیؓ پر ختم ہوتی ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کی احادیث میں تفرد وانفرادیت کے باوجود معاملہ اسناد یک ساں ہے۔ ان کا بنیادی ماخذ حضرت ابن عباسؓ ہی ہیں۔ کتب حدیث اور امامان سنت کا جاہ وجلال ہی غالباً وہ واحد سبب ہے کہ بعد کے تمام مورخین وماہرین فن نے ان ہی کی احادیث لی ہیں۔ اسی بنا پر شبلی نعمانی کو شکوے کا موقع ملا کہ صحیحین کی تمام روایات واحادیث صرف ایک صحابیؓ سے مروی ہیں، جو

ایک اہم واقعہ سیرت اور اس سے زیادہ وسیع تر اسلامی قاعدہ اور فنی اصول کے اثبات کے لئے ناکافی ہیں۔ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت اس واقعے کے واقع ہونے کے وقت موقع پر موجود تھی، لیکن کسی دوسرے صحابی سے اس حدیث کی ترسیل نہیں ملتی۔ کتب حدیث پر یہ عام نقد بھی ہوسکتا ہے۔

مولانا شبلی نعمانیؒ نے اگر روایات سیرت سے اعتنا کیا ہوتا تو ان کو اس شکایت کا موقع اور نقد کا حوصلہ نہ ملتا۔ حیرت کی بات ہے کہ تمام دیگر قدیم وجدید سیرت نگاروں اور شارحین حدیث نے عظیم امامان سیرت کی روایات حدیث قرطاس کو نظر انداز کر دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جیسے جامع شارح حدیث نے ابن سعد کی روایت کا ذکر تو ایک خاص مرحلے کے لئے کیا مگر روایتی بحث نہیں کی۔ روایت کے اعتبار سے سیرتی احادیث قرطاس بہت اہم ہیں، خاص کر امام ابن سعد کی احادیث جو تعداد میں بھی کافی ہیں اور گوناگوں بھی ہیں۔ ان کی نو روایات واحادیث میں سے چار روایات ان کے شیخ واستاد واقدی کی سند سے مروی ہیں۔ اور بہت عالی اسناد رکھتی ہیں۔ ان میں سے دو تو حسب معمول حضرت ابن عباسؓ پر منتہی ہوتی ہیں لیکن دو احادیث قرطاس حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ انصاری سے مروی ہیں۔ اسی طرح واقدیؒ کی اسناد کے علاوہ ان کی اپنی خاص سند سے ایک حدیث ان میں انصاری صحابی سے مروی ہے۔ ان کی چوتھی حدیث ان کی اپنی سند سے ایک اور صحابی جلیل حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے۔ ان کی بقیہ پانچ احادیث حضرت ابن عباسؓ سے ان کی مذکورہ بالا یا مختلف اسناد سے مروی ہیں، جیسی کہ وہ صحیحین میں ہیں اور ان کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ اس طرح یہ حدیث قرطاس ابن سعد میں چار صحابہ کرام: حضرات عمر فاروقؓ، علی مرتضیٰؓ، جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ امام سیرت ونسب بلاذری کی بھی دو احادیث میں ایک حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے ان کی اپنی خاص سند سے منقول ہے اور دوسری حضرت ابن عباسؓ سے جو صحیحین کے مطابق ضرور ہے مگر اس میں بعض اضافات قیمتی ہیں۔

نقد اسناد

امام بخاریؒ ومسلمؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی حدیث قرطاس کی اسناد پر قدیم ناقدین وشارحین نے نقد وجرح نہیں کی ہے۔ مباحث ابن حجر عسقلانیؒ ونوویؒ وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ ان تمام سندوں کو صحیح وثقہ تسلیم کرتے ہیں اور وہ بلاشبہ ہیں بھی صحیح۔ متاخرین میں سے مولانا شبلی نعمانیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے مروی احادیث صحیحین پر جرح کر کے ان کی استنادی حیثیت پر سوالیہ نشان لگایا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ ناقدین بل کہ معاندین شبلی نے مرویات ابن عباسؓ کی جرح وتعدیل شبلی کے مسئلے پر بالکل خاموشی اختیار کر لی ہے،

حال آں کہ وہ ان پر نقد بل کہ طعن کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، خواہ مولانا شبلی مرحوم کا بیان و نقد بالکل صحیح کیوں نہ ہو۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے شبلی پر متعدد مقامات پر نقد کیا ہے اور مولانا عبدالروف دانا پوریؒ نے بھی۔ ان کے چبائے ہوئے نوالے بعض جدید ناقدین نے اُگلے ہیں اور ان میں بددیانتی بہت واضح ہے۔ بہ قول ایک عالم ان تمام تنقیدات کے باوجود مولانا شبلیؒ اپنی پوری قامت و عظمت سے قائم ہیں اور ان کے ناقدین کو اہل علم کے ہاں اعتبار حاصل نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مولانا شبلیؒ بالائے تنقید ہیں اور ان سے تسامحات نہیں ہوئے۔

مولانا شبلیؒ کو مرویات ابن عباسؓ پر دو اہم اشکال ہیں: ایک حضرت ابن عباسؓ اس واقعے کے ظہور و حدوث کے وقت موقع پر یعنی حجرۂ نبوی میں صحابہ کرام کے ساتھ موجود نہ تھے اور انہوں نے نہ جانے کس سے یہ واقعہ سنا تھا۔ دوسرا وہ اس وقت صرف ۱۳۔۱۴ سال کے لڑکے تھے اور ان سے کافی بڑے صحابہ کرام نے جو موقع پر موجود تھے اس کو روایت نہیں کیا۔ نقد روایت کے دونوں نکات شبلی صحیح نہیں ہیں: شارحین حدیث سے زیادہ خود مرویات بخاری و مسلم ان کی موقع پر موجودگی ثابت کرتی ہیں اور شارحین گرامی میں ابن حجر عسقلانیؒ کی شرح بھی جس کے بارے میں مولانا مرحوم کو خاصا تسامح بل کہ مغالطہ ہوا ہے، مرویات ماہرین سیرت بالخصوص امام ابن سعدؒ کی احادیث کو نظر انداز کر دینے کے سبب ان کو دوسرے جلیل القدر صحابہ اور موقع و محل کے عینی شاہدین کی مرویات و احادیث کا علم نہیں ہو سکا۔ پھر حضرت ابن عباسؓ کی کم عمری ثابت کرنا بھی خالی از خلل مبحث نہیں ہے۔

امام ابن سعدؒ کی اسانید بالخصوص ان کے استاد گرامی واقدیؒ کی اسانید اور ان کی صحت کے بارے میں بھی ایک عرض کرنی ضروری ہے، اول تو یہ کہ امام ابن سعدؒ کی اپنی خاص اسانید سے روایات ہوں یا ان کے استاد واقدیؒ کے حوالے سے ان کی وجہ سے وہ ثقہ سمجھی جاتی ہیں، کیوں کہ وہ سب کے نزدیک ایک معتبر محدث اور ثقہ راوی تھے۔ حتی کہ ان کے واسطے سے ان کی کے استاد کی مرویات بھی ثقہ و معتبر گردانی جاتی ہیں، اگرچہ مولانا شبلی و سلیمان ندوی اور متعدد دوسرے اکابر سیرت و حدیث نے واقدیؒ اور ان کے واسطے سے ابن سعدؒ کی مرویات کو مجروح قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام واقدیؒ خود اپنی ذات سے معتبر و ثقہ ہیں اور ان کی توثیق مزید ان کے شاگرد کرتے ہیں۔ واقدیؒ پر طعن غلط مرویات کے سبب سے کیا جاتا ہے۔ (۳۸)

واقدیؒ کی کتاب المغازی کی روایات و احادیث کے بارے میں ایک تحقیقی مقالے میں بہت عمدہ بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ تمام روایات واقدی کسی نہ کسی شکل میں مسند احمد بن حنبل میں ملتی ہیں۔

بعض جدید اہل علم کے علاوہ بہت سے قدیم ماہرین فن نے ان کی توثیق کی ہے، احادیث قرطاس سے متعلق اسانید ومتون واقدی کا موازنہ صحیحین وغیرہ کی اسانید ومتون سے کیا جائے تو بہت اہم نکات ملیں گے:

۱۔امام ابن سعدؒ کی تمام مرویات واقدی کے رواۃ وشیوخ ثقہ اور معتبر ہیں۔مثلاً چھٹی روایت ابن سعد میں ہشام بن سعد نے زید بن اسلمؒ اور حضرت زیدؒ نے اپنے والد اسلمؒ سے روایت کی ہے۔یہ پورا سلسلہ رواۃ ثقہ پر مبنی ہے۔(۳۹)

ساتویں روایت ابن سعد کے رواۃ ابراہیم بن یزید، ابوالزبیر بھی کافی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔(۴۰)

آٹھویں حدیث ابن سعد میں اسامہ بن زید لیثی ومعمر بن راشد نے امام زہری سے روایت لی ہے اور وہ بھی ثقہ ہیں۔(۳۵)

نویں مروی حدیث میں ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ، ان کے شیخ وراوی داؤد بن حصین اور ان کے شیخ عکرمہ معتبر ہیں۔(۳۶)

امام ابن سعد کی غیر واقدی مرویات کے تمام رواۃ وشیوخ معتبر وثقہ ہیں اور ان کی تعدیل کی تصدیق ناقدین حدیث نے کی ہے۔(۳۷)

۲۔دوسرا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ مرویات ابن سعدؒ خواہ واقدی کے واسطے سے ہوں یا کسی اور شیخ کے ذریعے سے ان کے شاہد صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں ملتے ہیں۔ان کے تمام بیانات ومتون بیشتر نکات ومعاملات میں معتبر محدثین کے مطابق ہیں۔متون کے نقد اور روایت کے مبحث میں اس پر بحث آتی ہے۔

۳۔تیسرا نکتہ جس کے لئے واقدی کو متہم کیا جاتا ہے یہ ہے کہ مرویات ابن سعد میں بعض نئے بیانات وقیمتی تصریحات ہیں۔جن سے بہ قول شبلیؒ واقعے کی خصوصیات کا پتہ لگایا جاتا ہے اور جاسکتا ہے۔ اس پر بحث کچھ دیر میں آتی ہے۔واقدی پر سید سلیمان ندویؒ وغیرہ ناقدین کا ایک نقد یہ ہے کہ وہ بہت جزئیات دیتے ہیں اور ان کی تمام انفرادی اضافی چیزیں ناقابل قبول ہیں، اضافات وجزئیات نو کا معاملہ تو مکررات صحیحین میں بھی پایا جاتا ہے۔دوسرے اضافات واقدی بیشتر معاملات میں کتب حدیث کے مطابق ہیں جو ان کے نئے اضافات کو مستند بناتے ہیں۔

۴۔اختلافات متون سے تو مرویات صحیحین بھی مبرا نہیں ہیں، جیسا کہ خود امامین ہمامین اور ان کے شارحین کرام نے تسلیم کیا ہے، یہی مکررات واضافات بخاری ومسلم تو ان کی مرویات کی جان ہیں مگر واقدی میں ان کو خطرہ ایمان قرار دیا جاتا ہے۔وہ صرف عناد کا معاملہ ہے۔

۵۔مرویات صحیحین سے مرویات واقدی وابن سعد کا موازنہ بتاتا ہے کہ تمام روایات حضرت ابن عباسؓ بیشتر معاملات میں یک ساں ہیں۔صرف ایک دو میں کچھ اضافات ملتے ہیں۔ان کی توثیق وتغلیط صرف محاکے کے بعد ہی کی جاسکتی ہے مگر بہ ظاہر وہ صحیح اور قابل اعتماد ہیں۔

متون احادیث کی درایتی تنقید

کتب حدیث بالخصوص صحیحین کی احادیث قرطاس کا درایتی مطالعہ ونقد شارحین اور سیرت نگاروں نے کیا ہے۔ان میں بنیادی شارح بخاری کے مفسر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ہیں۔اورانہوں نے متعدد پیش رو شارحین وامامان حدیث سے استفادہ کیا ہے۔ان میں امام نوویؒ، امام قرطبیؒ، امام خطابیؒ، امام ابن جوزیؒ، حافظ کشمیریؒ، قاضی عیاضؒ، امام مازریؒ، وغیرہ کی تشریحات وتنقیدات شامل ہیں۔سیرت نگاروں میں قدیم اکابر کی تشریح وتعبیر بہت معمولی مل کہ مفقود ہی ہے،البتہ جدید اہل قلم بالخصوص شبلی نعمانیؒ نے درایتی تنقید کی ہے۔دوسرے سیرت نگاروں نے بھی تشریح وتعبیر کا فریضہ انجام دیا ہے مگر وہ پوری کی پوری حافظ ابن حجر وغیرہ پیش روؤں سے مستعار ہے۔ان کے بعض بیانات واقوال آزادانہ طور پر بھی ملتے ہیں،مگر ان پر دوسری تشریحات احادیث کی طرح نقد کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہئے۔ذیل میں درایتی نقد ومطالعہ متون کے نکات سے بحث کی جارہی ہے۔اورسب سے پہلے محدثین اوران کے شارحین کے عطایا کا ذکر کیا جاتا ہے۔

صحیحین کی تمام احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حدیث قرطاس کا واقعۂ الم ناک جمعرات کا ہے، جو وفات نبوی سے چار یوم کا معاملہ ہے۔(ناقدین متون نے بالخصوص شبلی ودانا پوری وغیرہ نے چار دنوں کے علاوہ دو تین دن اور پانچ دن کی مدت بھی بتائی ہے جو دل چسپ ہے۔)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت اور اس کا کرب طاری تھا اور اسی عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم کاغذ دوات کو طلب فرمایا۔تمام احادیث میں بہ قول ابن حجرؒ ادوات کتابت کے مختلف الفاظ نقل ہوئے ہیں جیسے کتاب، کتف ودواۃ، طبق ای کتف، لوح ودواۃ۔ان میں قلم کا ذکر کہیں نہیں ہے۔

متعدد روایات صحیحین میں ادوات کتابت کا سرے سے ذکر نہیں ہے،صرف یہ فرمان نبوی ملتا ہے کہ میرے پاس آؤ یا لاؤ کہ میں تمہارے لئے کتاب لکھ دوں: ایتونی اکتب لکم، هلمو /هلم اکتب لکم جیسے جملے ہیں۔

متون حدیث میں اس موعودہ کتاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد تم کبھی گم راہ نہ ہوگے۔اس کو ضلال کے مختلف مشتقات سے تعبیر کیا گیا ہے اور شارحین نے تضلوا، تضلون

وغیرہ کے لفظی فروق سے بحث کی ہے جو نری لفظی موشگافی ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کسی نے صحابہ کرام کے گم راہ ہونے کے امکان واحتمال سے بحث نہیں کی، یعنی فرمان نبوی میں ضلال سے کیا مراد ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب ہدایت میں کیا چیز یا مضمون لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا اس کا کوئی بھی حوالہ متون مین نہیں پایا جاتا ہے۔ سب شارحین حدیث کو اس حقیقت سے اتفاق ہے کہ حتمی طور سے موضوع کتاب کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔

شارحین حدیث نے اپنے اپنے خیال وفکر سے اور بعض دوسری احادیث نبویہ کے حوالے سے مقصد کتاب بنایا ہے۔

اس معاملے میں دو نقطہ نظر ہیں: ایک اہل سنت کا اور دوسرے اہل تشیع کا اور دونوں کا نقطہ نظر خلافت نبوی کے مسئلے پر ان کے مسلکی اختلاف ونزاع کے اردگھومتا ہے:

۱۔ اہل سنت کا خیال ہے کہ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دختر اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ذریعے ان کے بھائی اور والد ماجد کو بلایا بھی تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ فرزند اکبر حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کو طلب کیا تھا اور کچھ روایات میں ہے کہ ان کے فرزند اصغر حضرت عبداللہ بن ابی بکر صدیقؓ کو بلایا تھا۔ پھر وہ فرمان ان احادیث خاص کے مطابق نہیں لکھوایا کہ اللہ تعالیٰ اور مسلمان دونوں صرف ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر ہی راضی ہوں گے اور ان کی جگہ کسی دوسرے کو کبھی قبول نہ کریں گے۔ اہل تشیع کا خیال ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ بن ابی طالب ہاشمی کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، جیسا کہ ان کا خاص عقیدہ ہے۔

بہ ہر حال ان دونوں مقاصد حسنہ وسیئہ کا کوئی حوالہ یا عندیہ ان متون میں نہیں ملتا اور یہ ان دونوں مکاتب کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانے کا نظریہ اس بنا پر کم زور ہے کہ فرزندان صدیق کے ذریعے جس کتاب وفرمان کو لکھوانے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا تھا وہ مختلف مواقع کی احادیث ہیں اور ان کا تعلق اس جمعرات کے موقع سے نہیں ہے۔ اہل تشیع کے نقطہ نظر کی بے وقعتی اس واقعے سے ثابت ہوتی ہے کہ ان کے عقیدے اور دعوے کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی کے مابعد غدیر خم کے خطبے میں ان کی خلافت کا اعلان فرمادیا تھا جو واقعہ قرطاس سے کئی ماہ پہلے کا مشہور واقعہ ہے۔ ان کا یہ دعویٰ کہ اس حدیث قرطاس میں خلافت علیؓ کی صراحت فرمانا چاہتے تھے محض قیاس بل کہ پسند خاطر پر مبنی ہے جس کی کوئی سند نہیں ہے۔ خلافت اسلامی کے بعد کے اختلافات مسلکی اور نزاعات انفرادی کے واقعات وروایات کو اس واقعہ قرطاس میں داخل کر کے باز

بنی (project back) کی کوشش دونوں طرف سے ملتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے غم وغصے اور واقعہ قرطاس کے شور وغل کے سبب نہ لکھے جانے کا سبب بعض شارحین نے خلافت کے معاملے پر مشاجرات صحابہ میں تلاش کیا ہے۔ یہ بھی اسی طرح کی بازبنی اور پس رسی ہے، جس کا اوپر حوالہ آیا ہے۔ اس پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ خلافت اسلامی پر صحابہ کرام میں اختلافات ومشاجرات کا معاملہ وفات نبوی کے پچیس سال کے بعد شہادت خلیفہ سوم کے نتیجے میں پیش آیا تھا۔ اس سے قبل خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے معاملے پر صحابہ کرام بالخصوص انصار کرام کے ایک طبقے کا اختلاف وقتی طور پر نظر آیا تھا جو دراصل صحابہ کرام کی مشاورت کا معاملہ تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا وہ خلافت وخلیفہ کے انتخاب کے بارے میں مختلف تجاویز کا معاملہ تھا اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوگئی تو بقیہ تجاویز ختم ہوگئیں۔ وہ اختلاف صحابہ تھا اور نہ مشاجرہ معاصرین۔ وہ دراصل اسلامی شوریٰ کی کارکردگی کی تفصیل ہے اور بیعت صدیق کے بعد معاملہ حتمی بن گیا۔ رہ گیا حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ کا انفرادی معاملہ وخیال یا بنوعبد مناف کے بعض اکابر کا نظریہ خلافت، اسے کسی نے تسلیم نہیں کیا۔ خود ان طالبین حق اور دعوے داران خلافت نے بیعت ابی بکر صدیقؓ کے بعد اسے ترک کر دیا اور خلافت خلیفۂ سوم تک وہ کبھی برسر عام نہیں آیا۔ (۳۸)

اس تاریخی پس منظر کے بعد اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو بعض شارحین کے خیال میں مشاجرات صحابہ کا غم کھائے جا رہا تھا اور جس کے سبب وہ آہ وزاری فرماتے تھے تو کیا انہوں نے اپنی تمام احادیث قرطاس مشاجرات کے بعد بیان کی اور پچیس سال تک ان کی ترسیل وروایت روکے رکھی تھی؟ اس کا واحد جواب نفی میں ملتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اپنی مرویات قرطاس کی ترسیل وفات نبوی کے بعد اور خلافت ثلاثہ کے دور ہی میں شروع کر دی تھی اور ان کی آہ وزاری کا سبب دوسرا تھا۔ اگرچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت لینے والے تمام تابعین کرام۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، سعید بن جبیر، عکرمہ کے لوگ تھے۔ (۴۵)

حضرت ابن عباسؓ کی آہ وزاری اور غم وغصہ کا اصل سبب متون احادیث میں موجود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے مجلس نبوی میں نزاع واختلاف نے ناگوار صورت اختیار کر کے شور وغل وچیخ وپکار، لغط واختلاف، لغو کی شکل اختیار کر لی، جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ نے خود فرمایا کہ وہ مصیبت عظمیٰ یہ تھی کہ ان کے اختلاف اور شور وغل کے سبب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ارادۂ کتاب کے درمیان ایک دیوار بن کر حائل ہوگئی، اور اس نے کتاب لکھوانے کا

ارادہ ترک کرادیا۔

بعض شارحین حدیث خصوصاً ابن حجرؒ نے اس واقعے پر اختلاف صحابہ کی مثال شب قدر کے وقت وتاریخ کی تعیین کے ارادۂ نبوی میں تلاش کی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر کی حتمی تاریخ کا اعلان کرنے کے لئے باہر تشریف لائے تو دو حضرات کو لڑتے جھگڑتے دیکھا اور اس اختلاف ونزاع نے تعیین کی تاریخ بھلا دی اور وہ برکت قطعی ہمیشہ کے لئے اٹھالی گئی۔ یہ تاویل وتمثیل اچھی لگتی ہے، لیکن واقعہ ومثال میں ایک جوہری فرق ہے جسے ان شارحین کرام نے کسی وجہ سے نظر انداز کردیا ہے۔ اختلاف ونزاع شخصی کی نحوست سے شب قدر کی حتمی تاریخ کی تعیین کا جہر اعلان نہیں کیا گیا تھا جس کی اور بھی وجوہ ہیں۔ واقعہ قرطاس میں سرے سے فرمان وہدایت نامہ لکھوانے کو اٹھالیا گیا اور طاق نسخ وعدم پر رکھ دیا گیا۔ اصل مقصود میں اس میں رہ گیا۔ شب قدر کی مثال میں شب قدر اپنی جگہ تو باقی رہی صرف اس کی حتمی تعیین نہیں ہوسکی۔ بل کہ طاق راتوں میں اس کی جستجو کی ہدایت نبوی نے اس کی برکات کو اور وسیع کردیا۔ واقعہ قرطاس میں منبع برکات ہی کو پاٹ دیا گیا اور اس کی جہات وبرکات کا کیا سوال رہ گیا۔ (۴۶)

متون احادیث صحیحین وغیرہ میں امت کے گم راہ ہونے یا صحابہ کرام کے گم راہ ہونے کے بارے میں کوئی بحث نہیں ملتی کہ اس گم راہی سے کیا مراد ہے؟ شارحین حدیث نے لن تضلوا/ لاتضلون وغیرہ الفاظ نبوی کی تشریح وتعبیر بالکل نہیں کی ہے۔ یہ خاصی حیرت انگیز بات ہے۔

بہ ہر حال اس ضمن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جملہ حسبنا کتاب اللہ/عندکم القرآن، بہت اہم ہے۔ وہ امت اسلامی کی یا صحابہ کرام کی گم راہی کی نوعیت بھی بتاتا ہے اور ضلالت کے معانی ومفاہیم کی تعیین وتشریح بھی کرتا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک میں عام ضلالت وگم راہی کے معانی معہود تھے نہ کہ کسی خاص ضلالت۔ اسی بیان فاروقی سے ان کے موقف کی قطعیت اور ہدایت امت کی حتمیت بھی واضح ہوتی ہے۔ بعض شارحین کرام نے قرآن کریم وکتاب اللہ کے ساتھ حدیث وسنت نبوی کو بھی اس میں مراد لیا ہے، وہ صحیح ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ کتاب اللہ سے اصل سرچشمہ ہدایت کی بات کررہے تھے اور اسی سے سنت وحدیث کے سوتے بھی پھوٹتے ہی۔ بلاشبہ قرآن اپنے وسیع معانی میں ضلالت وگم راہی کے خلاف سد ذوالقرنین بن جاتا ہے اور وہی صحابہ کرام اور بعد کی امت اسلامی کو ضلالت سے بچانے کا نسخہ کیمیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس قسم کا کلام (ہذیان یا بے فائدہ وغیر مربوط کلام) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صحت ومرض دونوں حالتوں میں محال ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ آپ صلی

اللہ علیہ وسلم خواہش نفس سے کلام نہیں فرماتے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (۴۷) اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میں حالت غضب و رضا دونوں میں صرف حق کہتا ہوں: انی لا اقول فی الغضب والرضا الا حقا۔ اس کا واضح مطلب ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم بہ قائم ہوش وحواس فرما رہے تھے۔

اس کے بعد صحابہ کرامؓ کے دونوں طبقات خاص کر حضرت عمرؓ کے موافق لوگوں کے بیانات کی تشریح کی ہے اور تین احتمالات کا ذکر کر کے تیسرے کے احتمال کو ترجیح دی ہے جو امام قرطبیؒ کا قول ہے کہ صحابہ کرام میں سے ان حضرات کا خیال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت تکلیف میں ہیں، لہٰذا تکلیف نہ دی جائے۔ یہ الفاظ وارشاد طلب کتاب دراصل تکلیف وکرب کے عالم میں نکلے ہیں۔

ہجر، یہجر کے بارے میں ابن سعد کی روایت کی طرف اشارہ کر کے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجر فرما رہے تھے۔ بہ ہر حال صحابہ کرام کا یہ جملہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملے کو صاف کرایا جائے: استفهموه، اس کی تائید کرتا ہے اور صحابہ کرام کے استفسار حال اور عزم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کا موقف بتاتا ہے۔ ہذیان کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہاں صرف یہ شبہ تھا کہ بے اختیار کلمات جاری ہیں۔ لہٰذا ان کی تصدیق کر لی جائے۔ عربی زبان میں ھجر کے معنی صرف ہذیان کے نہیں ہیں: نیند یا مرض میں بے اختیار کلام کرنے کے معنی میں بھی آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نیند میں تو ہذیان یا بے ربط کلام ہونے کا سوال نہیں اٹھتا، وہ دراصل بے اختیاری کا کلام ہے جو نیند کے غلبے اور مرض کی شدت میں منہ سے نکلتا ہے۔

تنازع وتشاجر صحابہ کرام کے بارے میں روزوں (صیام) کے باب وکتاب میں لیلۃ القدر کے اختلاف صحابہ کا حوالہ دیا ہے کہ ان کے اختلاف کے سبب اس کی تعیین قطعی اٹھالی گئی۔ بہ ہر حال امام مازریؒ کا یہ خیال صحیح ہے کہ صحابہ کرام کا ایسے معاملات میں اختلاف جائز تھا، کیوں کہ وہ اپنے اپنے اجتہاد میں اختلاف کر رہے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی حکم چاہتے تھے۔

امام نوویؒ کا قول نقل کیا ہے کہ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ قول حضرت عمرؓ: حسبنا کتاب اللہ ان کی فقہی قوت اور دقت نظر کا ثبوت ہے۔ کیوں کہ ان کو خدشہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے امور لکھ دیں جن کی تعمیل سے لوگ عاجز رہیں اور ان کے منصوص ہونے کے سبب سزا وعقاب کے مستحق بنیں۔ ان کا یہ بھی ارادہ تھا کہ علما پر اجتہاد کا دروازہ بند نہ کیا جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (حضرت عمرؓ) پر کسی قسم کی نکیر نہیں کی جو اس بات کا اشارہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کی تصویب کی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے قول سے فرمان الٰہی: مافرطنا فی الکتب من شئی۔ (۴۸) کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس کا بہ ہر حال احتمال ہے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت کرب دیکھ کر آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے لئے تکلیف دور کرنے (تخفیف) کا ارادہ کیا تھا۔

امام نوویؒ وغیرہ بعض عظیم شارحین کرام اور ان کے ہم نوا بعض جدید اہل علم نے حضرت عمر فاروقؓ کے قول عظیم: حسبنا کتاب اللہ کی فقہی قوت اور دقت نظر کی وجہ سے بحث کی ہے اور اس کے دو پہلو یا جہات ہیں جو قابل بحث ہیں:

انہوں نے اپنے قیاس سے استنباط کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کو خدشہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے امور لکھ دیں جن سے صحابہ کرام اور امت اسلامی بالعموم عاجز ہو جائیں اور منصوص حکم چھوڑنے کے سبب سزا اور عقاب کے مستحق بنیں۔ یہ بالکل قابل رد ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منصوص تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دو کاموں یا اختیاروں میں سے آسان (ایسر) کا انتخاب کرتے تھے۔ امت مرحومہ کی آسانی اور راحت کے لئے بہت سے اعمال خیر جیسے نماز تراویح نفل روزے اذکار اور ادعیہ وغیرہ چھوڑ دیئے اور ان کی وجہ بتائی کہ مبادا وہ فرض نہ کر دیئے جائیں۔ دینی شدت پسندی کی ہمیشہ مخالفت کی، ہمیشہ توازن واعتدال کا حکم دیا اور خود بھی اس پر عمل فرمایا۔ دین کو آسان بنایا اور اس آسانی کی ایسی ایسی صورتیں پیدا کیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت بن گئے۔ لہٰذا یہ قیاس وخیال کرنا کہ آپ کتاب معہود میں مشکل اور عاجز کرنے والے احکام منصوص فرما دیتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قطعی حسن ظن نہیں اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے محدث امت کے خیال وخواب میں بھی یہ خدشہ نہیں گذرا تھا۔ یہ صرف سوئے تعلیل ہے۔ (۴۹)

اجتہاد کا دروازہ امت پر بند کرنے کا خیال شارحین دوسرا پہلو ہے کہ اس کتاب منصوص سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو جاتا، یہ ایسی نادر تعلیل اور کم یاب توجیہہ ہے جس کو دور کی کوڑی لانے کے مترادف کہا جا سکتا ہے۔ اس صحیفہ سے باب اجتہاد کیوں اور کیسے بند ہو جاتا؟ کس کو کیا معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ پھر قیاس بھی کر لیا جائے تو اجتہاد امت علما صرف ایک یا چند امور تک محدود نہیں۔ بہ قول بعض ائمہ کرام اجتہاد کے ابواب تو بے کراں اور ان گنت ہیں اور ان کا احاطہ ناممکن ہے صرف ایک کتاب نبوی سے وہ کیسے بند ہو سکتے تھے، جب کہ عظیم قرآن کریم اور وسیع حدیث نبوی کے باوجود وہ چوپٹ کھلے رہے تھے، حضرت عمر فاروقؓ کی طرف اس خدشے کی نسبت بھی غلط ہے اور وہ بات اور توجیہ بھی غلط ہے۔ حسبنا کتاب اللہ کا یہ مفہوم ہے کہ کتاب وسنت کی ہدایت وسیع کی روشنی میں صحابہ کرام اولاً اور امت اسلامی بعد میں اپنے معاملات کو سلجھا لے گی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے ہدایت کے لئے کافی ہونے کا ادراک وشعور رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کس کو تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے میں اور دوسرے متعدد مواقع پر ان ہی کو نسخہ ہدایت بتایا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص مرض الوفات کے اس کرب ناک لمحے میں ایسی کتاب لکھوانے کا ارادہ کیوں فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام اور امت اسلامی کو ضلالت وگم راہی سے بچالیتی؟ اور وہ صرف ایک کتاب مختصر کیوں کر بچا سکتی تھی؟ اس سوال کا جواب شارحین کرام میں سے کسی نے نہیں دیا۔ اور نہ متونِ احادیث میں ان کا کوئی ذکر وحوالہ ہی ملتا ہے۔ اور جو ملتا ہے وہ فاروق اعظمؓ کا اعلان قرآن وکتاب اللہ ملتا ہے کہ وہی اصل نسخہ ہدایت ہے۔ اس پر کچھ مزید بحث بعد میں آتی ہے۔

صحیفہ وکتاب یعنی ادوات کتابت طلب فرمانے کے حکم نبوی کے ردعمل میں صحابہ کرام کا ردعمل اور موقف مختلف ملتا ہے۔ بعض مرویات حضرت ابن عباسؓ میں صرف صحابہ کرامؓ کے تنازع واختلاف کا ذکر ہے، جو مجلس نبوی میں ناپسندیدہ سمجھا گیا۔

دوسری روایات میں بعض صحابہ کرامؓ کے زبان وقول کے الفاظ میں ہجر کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں بھی دو قسم کی روایات ہیں۔ کسی میں ھجر بیانی ہے اور کسی میں اَھجر ؟ استفہامی ہے۔ شارحین کرام نے اس پر بحث نہیں کی ہے کہ ایک ہی صحابی جلیلؓ کی مرویات میں ان کے مختلف رواۃ نے یہ فرق لفظی ومعنوی کیا ہے یا خود صحابی جلیلؓ کے بار بار ترسیل وروایت کے سبب وہ در آیا ہے۔ متعدد شارحین جیسے ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ نے دونوں کو استفہام انکاری کے معنی میں لے کر بات برابر کرنے کی کوشش کی ہے۔

بہ ہر حال صحابہ کرام کے موقف وردعمل کا معاملہ واضح ہے کہ وہ کسی طور سے اسے لفظی ہذیان کے معنی میں نہیں لے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ اور ان کے ہم نوا صحابہ کرامؓ کے موقف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اسے شدت کرب کے تحت بے اختیارانہ کلمات سمجھ رہے تھے۔ بالعموم دیکھا گیا ہے کہ حالت مرض بالخصوص حال بے ہوشی وغشی میں انسان کی زبان سے اس چیز کے بارے میں بار بار کلمات والفاظ نکلے ہیں۔ جن کا خیال وفکر اس کے قلب ودماغ پر مستولی ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک اور ذہن حساس پر اپنی امت کی ہدایت پر گام زن اور ضلالت سے حفاظت کا خیال ہمیشہ چھایا رہا، جس کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے تھے۔ اس موقع پر اسی غلبۂ وجع تکلیف میں وہ خیال مبارک بار بار زبان مبارک پر آرہا تھا جس کا مقصود حضرت عمرؓ نے سمجھ لیا تھا۔

جن صحابہ کرام کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار فرمان وطلب کتاب کے جملو سے بے اختیار کلمات کا خیال ہوا، انہوں نے بحث ومباحثہ اور نزاع کے دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھی

طرح سمجھ لینے اور پوچھ گچھ کر لینے کا خیال ظاہر کیا متون حدیث میں اسے استفہموہ کے معنی خیز جملہ سے ادا کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

بعض متون میں یہ بھی وضاحت ملتی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے دوبارہ وضاحت چاہی اور طلب ادوات کتابت کی بات کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گریز فرمایا۔

طلب صحیفہ وادوات کتابت پر صحابہ کرام کے دو طبقات ہوگئے تھے: ایک طبقہ اسے غلبہ وشدت کرب کے زیر اثر تکرار الفاظ وکلمات اور اظہار فکر وخیال سمجھ رہا تھا، جس میں حضرت عمر فاروقؓ شامل تھے اور وہ اس کی تعمیل ضروری نہیں سمجھتا تھا۔ دوسرا طبقہ فرمان وارشاد نبوی کی تعمیل ضروری سمجھتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا قانونی پہلو کوئی ہو اس کی تعمیل ضرور کرنی چاہئے۔ اس بحث ومباحثے میں آوازیں بلند ہوگئیں اور شور وغل برپا ہوگیا۔ جو یوں بھی طبع نازک پر گراں تھا اور اس عالم کرب میں ناگوار تر ثابت ہوا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو اپنے پاس سے اٹھا دیا۔ دوسرے متون کے دروبست کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تعمیل ارشاد کی وضاحت طلبی کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوات وصحیفہ نہیں طلب کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ اور احادیث قرطاس کے متعدد شارحین کرام نے ہی اس نزاع کو غلط قرار دیا ہے۔ خاص طور سے ان کے کثرت تنازع اور کثرت لغط ولغو کو۔ اب سوال یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا اختلاف غلط تھا یا اس کا انداز؟

اختلاف وتنازع صحابہ کرامؓ پر شارحین نے یہ لکھا ہے کہ وہ ناپسندیدہ نہیں تھا، بل کہ اس کا تعلق ان معاملات سے ہے جن میں صحابہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث ومباحثہ اور اختلاف کیا کرتے تھے۔ وہ فرامین وارشادات نبوی کی روح اور اس کی اقسام جانتے تھے۔ بہت سے معاملات وارشادات نبوی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات سے تھے اور ان میں وہ مشورے دیتے اور اختلاف کرتے تھے۔ صحبت نبوی کے طویل اور عمیق فیض سے اور قرآن وسنت کے گہرے مطالعے سے وہ ان ارشادات نبوی کی اقسام جان گئے تھے، لہٰذا ان کا یہ جملہ یا فقرہ ''استفہموہ'' ان کے اختلاف کی نوعیت کو بھی اجاگر کرتا ہے اور شارحین نے اس پر کافی زور دیا ہے۔ انہوں نے غزوہ بنی قریظہ کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ''کہ بنو قریظہ میں پہنچنے سے قبل کوئی نماز عصر نہ پڑھے'' پر صحابہؓ کے اختلاف کے مانند اسے بتایا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے ظاہر پر عمل کیا اور بعض نے اصل مقصد جان کر نماز وقت پر پڑھ لی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مسالکِ صحابہ کی تصویب کی تھی اور کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا تھا۔

اس مثال میں موقع ومحل کا ایک اہم فرق ہے۔ جس کی طرف شارحین اکرام نے دھیان نہیں دیا۔ بنوقریظہ میں نماز عصر پڑھنے کے ارشاد نبوی پر اختلاف صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں ہوا تھا۔ وہ بروقت استصواب کرنے کی طاقت میں نہیں تھے، لہٰذا ان میں ان کے اجتہاد کے سبب اختلاف ہوا۔ واقعہ قرطاس کے موقع پر دونوں طبقات صحابہ مجلس نبوی میں موجود تھے اور وہ بروقت استصواب کر سکتے تھے اور انہوں نے کیا بھی۔ اسی خاص مسئلے میں مجلس نبوی کی مشاورت صحابہ کی مثال دینی چاہئے اور اس کی مثالیں بہت سی ہیں جیسے بدر واحد وخندق وغیرہ کے موقع میں مشاورت صحابہ اکرام۔ تمام شارحین کرام نے حدیث قرطاس میں ادوات کتابت لانے کے حکم نبوی کو امر واجب نہیں مانا۔ سب کا اس پر اتفاق تھا کہ وہ اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اجتہادی امر سمجھتے تھے، جس کی تعمیل واجب نہ تھی۔ متون حدیث میں بھی اس کی صراحت ملتی ہے اور اس سے شارحین کرام نے اپنے خیال وفکر کو مستند ومستحکم کیا ہے۔ ان کی یہ دلیل بہت قوی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم وفات سے چار دن قبل دیا تھا۔ صحابہ کرام نے نزاع کے بعد ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملے کو دوبارہ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض فرمالیا اور طلب کاغذ پر اصرار نہیں کیا۔ پھر چار دن تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلامت باکرامت رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب ہدایت وصحیفہ ارشاد نہیں لکھوایا۔ اس کا مطلب یہ واضح ہے کہ وہ امر جواب نہیں تھا اور اجتہاد پر مبنی تھا۔ وہ وحی الٰہی پر بھی مبنی نہیں تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اختلاف ونزاع صحابہ کے باوجود لکھواتے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ پر مامور تھے۔ اس کے لئے انہوں نے آیات قرآنی سے استشہاد کرنے کے ساتھ ساتھ یہ دلیل بھی دی ہے کہ تبلیغ کے معاملے میں مخالفت کرنے والوں کی مخالفت واختلاف کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ جاری رکھی تھی۔ تبلیغ سے صرف اسلام کی طرف دعوت ہی مراد نہیں بل کہ احکام الٰہی اور وحی کی ترسیل مراد ہے۔ اس صحیفہ نبوی کے بارے میں جن لوگوں نے آیت قرآنی: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى سے استدلال کیا ہے اسے غلط بتایا ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر کا اس سے استدلال اور دوسری حدیث کہ ''میں ہر حال میں حق کہتا ہوں'' سے استدلال صحیح ہے کہ وہ ہجر (ہذیان) ہرگز نہیں تھا۔

متعدد شارحین حدیث نے اس حقیقت سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل سے حضرت عمر فاروقؓ اور ان کے حامی وہم نوا صحابہ کرام کے موقف کی در پردہ یا علانیہ تصدیق وتائید کر دی تھی۔ جن شارحین کرام نے حضرت عمر فاروقؓ پر کتاب نبوی لکھے جانے کی راہ میں مزاحمت کرنے کا الزام لگایا ہے ان کی تردید بھی کی ہے۔ ان کا یہ استدلال بھی بہت مضبوط اور مستحکم ہے کہ حضرت

عمر فاروقؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت کرب کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بے کراں اور خیر خواہی ناپیدا کنار کی بنا پر صحیفہ وکتاب کی کتابت کی زحمت سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ ان کے حدیث ابن عباسؓ کی صحیحین کی ترسیلات میں جملے غلبہ الوجع وغیرہ بھی اسی محبت وخیال خاطر کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسرے صحابہؓ بھی اسی سے متفق تھے۔ ان کا اختلاف بس یہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرمارہے ہیں اس کی بہ ہمہ وجوہ تعمیل کی جائے۔ خدانہ خواستہ ان میں سے کسی کو ہجر (ہذیان) کے خیال کا شائبہ بھی نہیں تھا کہ وہ مزاج نبوت سے پوری طرح آشنا تھے۔

روایات سیرت کا درایتی تجزیہ

تمام شارحین حدیث اور سیرت نگاروں اور دوسرے اہل علم وبصیرت نے مآخذ سیرت کی روایات قرطاس کو دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کیا ہے، لہٰذا ان کا روایتی اور درایتی تجزیہ کرنے کا مرحلہ ہی نہیں آیا۔ بہت سوں کو تو ان کی خبر بھی نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جیسے جامع شرح وبسط نے ابن سعدؒ کا حوالہ بھی دیا ہے تو صرف حدیث کے ایک آدھ فقرے کے اختلاف کے بارے میں۔ بہ ہر حال ان کا روایتی تجزیہ وتحلیل شروع میں کیا گیا ہے اور درایتی تجزیئے کے بہت سے نکات مشترک ہونے کے سبب احادیث قرطاس کے ضمن میں ازخود آگئے ہیں۔ اس مقام پر صرف ان خاص عطایا، نکات، اضافات اور معلومات سے مختصر بحث کی جارہی ہے جو ان میں ہیں۔ ان روایات سیرت میں بھی صرف امام ابن سعدؒ کی روایات واحادیث سے بحث کی جائے گی، کیوں کہ بقیہ کے ہاں روایات مختصر ہیں۔ یا صحاح اور دیگر کتب حدیث کی احادیثِ ابن عباسؓ نقل کردی گئی ہیں۔ احادیثِ ابن سعدؒ کے بارے میں جیسا کہ اوپر کہا گیا دو قسم کی ہیں: ایک ابن سعدؒ کی خاص سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں اور دوسری دوسرے صحابہ اکرام پر ختم ہوتی ہیں۔

ابن عباسؓ کی حدیثِ ابن سعد۔ اول میں یہ دل چسپ اضافہ ہے کہ بعض صحابہؓ کے اس قول کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام حالت بیماری میں کچھ فرمارہے ہیں۔ یہ دل چسپ اضافہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد میں عرض کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ طلب فرمایا تھا وہ ہم کیا لے آئیں: الا ناتیك بما طلبت؟ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں طلب فرمایا۔

اسی طرح دوسری حدیث ابن سعدؒ میں بھی صحابہ کرامؓ کے بارے میں صراحت ملتی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعادے کے طالب ہوئے: فذھبوا یعیدون علیہ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

آپ کو تنہا چھوڑ دینے کو فرمایا: دعونی..... اگرچہ مرویات صحیحین میں بھی اسی قسم کے بعض جملے وفقرے ملتے ہیں لیکن مرویات ابن سعد میں صراحت زیادہ ہے۔ بعض روایات ابن سعد صحیحین کی روایات واحادیث کے مماثل ہیں لیکن ان میں بعض خاص تعبیرات بھی ہیں لیکن ان کے نئے معانی اور کچھ نہیں ہیں صحیحین کی احادیث ابن عباسؓ سے امام ابن سعدؒ کی احادیث قرطاس کی مماثلت سے ان کو استناد واعتبار ملتا ہے۔

ابن سعدؒ کی حضرت ابن عباسؓ سے اپنے استاد گرامی واقدیؒ کی سند سے ایک روایت بہت اہم ہے وہ ان کی کتاب کی آخری روایت ہے اور اس میں کئی نئی معلومات ہیں اور ان کی تشریح بہت سے عقدے کھول سکتی ہے:

اول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب دواۃ وصحیفہ کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں مدائن روم (رومی شہروں) میں سے فلاں فلاں کے بارے میں خیال کرتا ہوں کہ ان کو فتح کرنے سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پانے والے نہیں ہیں۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو بھی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی طرح انتظار کریں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے اس بیان میں وہ تاریخی تلمیح بھی ہے جس کا ذکر دوسری احادیث میں ملتا ہے خاص کر وفات نبوی کے بعد حضرت عمرؓ کے قول میں جب وہ ہاتھوں میں تلوار سونتے ہوئے اعلان فرماتے پھر رہے تھے کہ جس نے وفات نبوی کا ذکر واعلان کیا اس کی گردن اڑا دیں گے، کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے پاس ویسی ہی ہدایات لینے گئے ہیں، جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہدایات ربانی کو وہ طور پر لینے گئے تھے۔ وہ ان کا صرف فرطِ غضب اور صدمہ واندوہ سے عالم خود فراموشی کا معاملہ نہیں تھا، جیسا کہ بیشتر بل کہ تمام شارحین نے سمجھا ہے، وہ حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث وتفہیم حدیث کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا، جس کے ذریعے وہ منافقین کی سازشوں کا توڑ کرنا چاہتے تھے۔ حدیث بخاری: ۴۹۶۹۔ ۴۹۷۰ کے حوالے سے خاک سار راقم نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ بعض شارحین حدیث نے موقف عمرؓ کے حوالے سے منافقین کے طعن کی کاٹ کرنے کی بات کہی ہے اور اس کی یہ تشریح دل کو لگتی بھی ہے کہ عالم کرب اور حالت غشی میں لکھوائے گئے صحیفے کے بارے میں منافقین زبان طعن دراز کر سکتے تھے۔ (۵۰)

دوم مدائن روم کی فتح کا حوالہ قولِ حضرت عمر فاروقؓ میں بہت اہم ہے کہ انہوں نے ان کی فتح کا کیوں ذکر فرمایا تھا؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر خندق کی چٹان توڑتے ہوئے اور بعض دوسرے مواقع پر ان کے فتح اسلامی کی پیشین گوئیاں کی تھیں۔ ان ارشادات اور پیشین گوئیوں کا مفہوم یہ بھی تھا کہ صحابہ کرام اس وقت تک گم راہی وضلالت میں نہ بھٹکیں گے۔

سوم وفات نبوی ہو جانے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے کا اعلانِ فاروقی بھی یہ بتاتا ہے کہ بنو اسرائیل کے بعض طبقات اگر چہ انحراف کر گئے تھے، لیکن حضرت ہارون علیہ السلام اور صحیح اہل ایمان وصحابہ موسیٰ تو صحیح راستے پر قائم رہے تھے۔ انتظار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور کئی مفہوم ہیں۔

حضرت عمرؓ کی اس حدیث میں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ یہ واقعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن کا تھا، کیوں کہ اس میں یہ بھی صراحت ملتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام کو جب باہر کر دیا تو ان کے جاتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف جمعرات کو ہی نہیں بل کہ دوشنبہ کو بھی صحیفہ لکھوانا چاہا تھا۔

ابن سعدؒ کی امام واقدیؒ کی سند سے حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ششم بعض نئی جہات پیش کرتی ہے:

۱۔ اس میں یہ واضح ذکر ملتا ہے کہ اسی حجرہ نبوی میں ازواج مطہرات اور غالباً کچھ دوسری خواتین موجود تھیں اور ان کے لئے النساء کا عام لفظ آیا ہے۔ اور مردوں اور عورتوں کے درمیان پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہاں جو کچھ ہو رہا تھا وہ اس کی شاہد تھیں۔

۲۔ ازواج مطہرات میں متعدد نے یا سب نے صحابہ کرام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجت پوری کرنے کو کہا تھا، یہ صرف روایات سیرت اور احادیث ابن سعدؒ میں موجود ہے۔ صحیحین کی مرویات ابن عباسؓ میں ازواج مطہرات کا حوالہ سرے سے نہیں ملتا جو بہ قول شبلی خاص خصوصیات کے ترک کے مترادف ہے۔ آخری حدیث ابن سعد میں حضرت زینبؓ کے مطالبہ تعمیل کا بھی واضح ذکر ملتا ہے۔

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر دو مطالبات یا حاجات کا ذکر فرمایا تھا: اول سات مشکیزوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا جائے اور دوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحیفہ ودوات لائی جائے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں ایک کتاب لکھ دیں۔ متعدد دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سات مشکیزوں کے پانی سے نہلایا گیا تھا اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید بخار تھا اور اس کی حدت وشدت کم کرنے کے لئے اتنے کثیر پانی کی ضرورت تھی۔ اسی کی احادیث صحیحین میں بھی ہیں۔ (۵۱)

غسل کے لئے پانی لانے اور اسی کے ساتھ ساتھ لکھوانے کے سامان لانے کا ذکر ساتھ ساتھ کیا گیا تھا۔ ازواج مطہرات کے تعمیل ارشاد پر حضرت عمرؓ کا سخت موقف بھی ملتا ہے۔ انہوں نے ازواج مطہرات سے کہا تھا کہ تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صواحب ہو لہٰذا خاموش رہو۔ کیوں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو تم خوب روتی ہو اور جب آپ صحت مند ہوتے ہیں تو تم سب ان کی گردن پکڑتی ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو صحابہ کرام سے بہتر قرار دیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے جواب ورد عمل پر نکیر نہیں کی۔ اس قول عمر فاروقؓ میں صواحب کے معنی ولفظ دونوں خاص ہیں۔ ان کی تشریح خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک سے ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ وغیرہ نے جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جگہ حضرت عمر فاروقؓ کو امام نماز بنانے کی درخواست کی تھی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے صواحب ہی نہیں صواحب یوسف کا لفظ وتعبیر استعمال فرمائی تھی۔ اس کے اور بھی استعمالات نبوی حدیث میں ملتے ہیں۔ گردن پکڑنے کا حوالہ یا تلمیح غالباً واقعۂ ایلا کے سبب کی طرف ہے جب ازواج مطہرات نے کشادگی نفقہ کے لئے اصرار کیا تھا۔ بہ ہر حال سات مشکیزوں کے نہلانے کے بعد دوسرے حکم کی تعمیل میں توقف کا اظہار صرف معاملات کو سمجھ لینے کی خاطر کیا گیا تھا۔ (۵۲)

اب سعد کی حدیث جابرؓ اور بلاذری کی دونوں روایات ابن عباسؓ وجابرؓ وغیرہ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شور وغل اور اختلاف ومباحثہ کی شدت کے بعد صحیفہ وکتاب لکھوانے کا ارادہ ہی ترک کر دیا اور پھر کچھ نہیں لکھوایا۔ یہ روایات بالواسطہ صحیحین کی روایات ابن عباسؓ کی توثیق وتائید کرتی ہیں اور ان کو شاہد/شواہد کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ کی سند سے مروی حضرت امام ابن سعدؒ کی حدیث بہت ہی نئی ہے اور متعدد جہات رکھتی ہے:

۱۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ قول حضرت علیؓ ان سے شدت بیماری کے زمانے میں طبق/لوح طلب فرمائی۔

۲۔ حضرت علیؓ کو خدشہ ہوا کہ وہ طبق/لوح لینے جائیں اور اس سے پہلے ہی روح نبوی پرواز کر جائے۔

۳۔ لہٰذا حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں صحیفے کے ایک ذراع کو محفوظ کئے ہوئے ہوں۔

۴۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس حضرت علیؓ کے بازوؤں اور ہاتھوں کے درمیان تھا۔

۵۔ اسی حالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز، زکوٰۃ اور باندیوں (وما ملکت ایمانکم) کے بارے میں وصیت کرنی شروع کر دی۔

۶۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس ختم ہو گیا (فاظت) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ شہادت کا حکم دیا اور آپ کا نفس مبارک مطمئن ہو گیا اور فرمایا کہ جس نے ان دونوں کی شہادت دی، اس

نے اپنے اوپر آگ حرام کرلی۔ یا اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ حرام کردی۔

ان تمام بیانات یا جہات حدیث حضرت علیؓ کی تصدیق متعدد دوسری احادیث سے ہوتی ہے اور اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی بنیادی عقائد وایمانیات اور ارکان واعمال کی وصیت اس موعودہ صحیفے میں بھی کرنا چاہتے تھے۔

جدید سیرت نگاروں میں سوائے شبلی نعمانیؒ کے اور کسی نے نئی بات یا نئی توجیہ نہیں کی ہے، صرف دوسروں کی توجیہات دہرادی ہیں۔ البتہ ان کی زبان وبیان میں بعض باتیں ایسی ہیں جن پر مختصر بحث ضروری لگتی ہے۔ فکر شبلی کا تجزیہ پہلے کیا جارہا ہے:

روایتی نقد احادیث قرطاس میں شبلی نعمانیؒ کے بعض اصولی مباحث کا تذکرہ وتجزیہ آچکا ہے۔ یہاں ان کا کلی تجزیہ پیش ہے:

۱۔ شبلی نعمانیؒ کا یہ نقد صحیح ہے کہ صحیح کی مرویات قرطاس صرف ایک صحابی سے مروی ہے جب کہ واقعے کے وقت بہت سے صحابہ موجود تھے۔ لیکن یہ کوئی اصول نقد نہیں ہے۔ متعدد احکام ومعاملات اور واقعات صرف ایک صحابی سے منقول ہیں لیکن ان پر کسی نے شبہ نہیں کیا اور نہ کیا جانا چاہئے۔ خبر واحد کی اسی حیثیت کے سبب اس کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس کی مجلس نبوی میں غیر موجودگی اور کسی دوسرے صحابی سے ان احادیث کی سماعت اور ان کی کم عمری پر بحث شبلی بھی صحیح نہیں ہے۔ مراسیل صحابہ ہمیشہ اور سب کے نزدیک معتبر ہیں اور حضرت ابن عباسؓ تو درجہ مراہق میں تھے اور بہ قول شبلی ۱۳۔۱۴ سال کے تھے۔ صحاح اور دوسری کتب میں پانچ سات سال کی عمر کے صحابہ کی روایات کو تسلیم کیا گیا ہے ورنہ حضرات عبداللہ بن زبیرؓ، مروانؒ بن حکم، مسور بن مخرمہؓ، نعمان بن بشیرؓ جیسے دس دس سالہ نوخیز صحابہ کرام اور ان سے زیادہ کم سن حضرات حسنینؓ، محمود بن ربیعؓ اور متعدد دوسرے صحابہ کرام کی روایات قابل اعتماد نہیں رہیں گی۔

شبلی نعمانیؒ نے اگر ابن سعدؒ کی روایات واحادیث اور دوسرے مورخین کی روایات سے اعتنا کیا ہوتا تو معلوم ہوتا کہ مرویات قرطاس متعدد صحابہ کرام سے مروی ومنقول ہیں۔

درایتی نقد شبلی میں یہ نکتہ قابل توجہ ولائق تحسین ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملے میں بھی اختلال حواس کا کوئی قرینہ نہیں ملتا، صرف دوات وقلم لانے کے معمول کے حکم سے صحابہ کرام کو ہجر یا یا ہذیان کا خیال کیسے پیدا ہوگیا۔ اسی طرح مولانا مرحوم کا یہ نقد بھی صحیح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی مرویات قرطاس میں واقعے کی ضروری خصوصیات چھوڑ دی گئی ہیں اور صرف اسی میں نہیں بالعموم رواۃ

کرام بعض اہم چیزیں چھوڑ دیتے ہیں اور ان کی سند مکررات بخاری ومسلم میں ملتی ہے۔ الفاروق میں مولانا مرحوم کا یہ بیان کہ ''بخاری ومسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعے کی پوری ہیئت محفوظ نہیں رکھ سکا، اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمرؓ کی نسبت گستاخی کا الزام لگایا جائے۔'' آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

مولانا عبدالرؤف دانا پوری کی تمام تشریح حافظ ابن حجرؒ وغیرہ پیش روؤں سے ماخوذ ہے، اس لئے بلا نقد صحیح ہے لیکن ان کا یہ بیان کہ حضرت ابن عباسؓ نے مشاجرات صحابہ کو دیکھ کر آہ وزاری کی اور ان کو خیال ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایسی بات لکھوا دیتے جس سے صحابہ میں اختلافات نہ ہوتے خالص ان کے قیاس پر مبنی ہے اور آرزوئے محض ہے۔ اس پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کی مجموعی تعلیمات کے باوجود اختلافات پیدا ہو جائے تو کیا ایک کتاب سے وہ بند ہو جائے گا۔ دوسرے وہ مشاجرات ہوں یا عام اختلافات ان کی پیدائش لازمی تھی، کیوں کہ ان کا تعلق اجتہادی امور اور تعبیرات کتاب سے تھا اور ان کی حد بندی کسی طرح ممکن نہیں تھی۔ پھر اختلافات ومشاجرات کے بارے میں یہ کیسے خیال پیدا ہو گیا کہ وہ خراب تھے۔ ان میں خیر بھی تھا جس کا ذکر اواخر میں آتا ہے۔

مولانا ادریس کاندھلویؒ کا یہ تجزیہ ووضاحت بہت عمدہ ہے کہ حکم نبوی کے مخاطب صرف حضرت عمرؓ نہ تھے بل کہ حجرہ نبوی میں موجود تمام صحابہ کرام تھے اور ان میں حضرات عباس وعلیؓ بھی تھے اور وہ بھی ادوات کتابت نہیں لائے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی رائے سے متفق تھے۔ مولانا مرحوم نے واقعہ قرطاس میں صحابہ کرام کی عدم تعمیل کی مثال صلح نامہ حدیبیہ میں حضرت علیؓ کی فقرہ رسول اللہ مٹانے سے انکار میں تلاش کی ہے، اور خوب کی ہے مگر اس کو معصیت قرار دینا صحیح نہیں، جیسے واقعہ قرطاس میں عدم تعمیل صحابہ معصیت نہیں تھی کہ امر نبوی وجوب کا حکم نہیں رکھتا تھا، صلح نامے کی کتابت میں بھی امر نبوی واجب نہ تھا۔

پیغمبر انسانیت مؤلف مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی نے واقعہ قرطاس میں کتاب لکھنے کے ارادے ترک کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک جمہوریت کا اصول توڑنا پسند نہیں کیا۔ مولانا مرحوم کے ذہن وقلم پر مسئلے خلافت حاوی ہے اور اسی کے پس منظر میں انہوں نے لکھا ہے۔ یہی دوسرے متعدد بل کہ بیشتر اہل قلم اور سنی وشیعی اکابر کا خیال بھی ہے۔ اسی لئے ان میں مشاجرات صحابہ اور اختلافات سیاسی اور اصول سیاسی کا حوالہ برابر آتا ہے۔ بنیادی طور سے کتاب معہود نبوی کا تعلق کسی طرح مسئلہ خلافت سے نہیں تھا۔

صوفی فکر وفلسفے میں واقعہ قرطاس کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بحث اگر چہ پیش رو

شارحین حدیث سے بعض اقوال وآرا اور آیات واحادیث کے استدلال میں مستعار ومستفاد ہے، مگر ان کے مقدمات ستہ بہت جان دار معنی خیز اور مسئلے کو سلجھانے والے ہیں۔ ان میں سے بعض سے بالخصوص بعض تاریخی مثالوں کے بیان وشرح سے اختلاف کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہئے کہ حرف آخر تو صرف حرف الٰہی اور حرف نبوی ہے۔ بقیہ بہ قول امام اعظم سب مردان کار تھے اور ہم بھی مردان کار ہیں اور ان کے اور اپنے اقوال وآرا اور افکار میں آزاد ہونے کے ساتھ کتاب وسنت کے پابند ہیں۔

حضرت مجددؒ کے چھ مقدمات: تمام منطوقات نبوی وحی نہیں ہوتے تھے، اجتہادی امور میں وہ رائے وفکر نبوی پر مبنی ہوتے تھے۔ ان اجتہادی امور اور احکام عقلیہ میں صحابہ کرام کا مشورہ اور اختلاف جائز تھا اور بشری حیثیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سہو ونسیان اور حالت مرض میں غلبہ درد کا اثر ہوسکتا تھا اور ہوا بھی، حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ نہ صرف مزاج شناس نبوت تھے بل کہ جنتی تھے لہٰذا ان کا توقف کرنا حکم عدولی نہیں تھا۔ اور حضرت عمرؓ کا توقف ردوانکار کی وجہ سے نہیں تھا بل کہ معاملے کو سمجھ لینے کی بنا پر تھا اور وہ اجتہادی امر تھا اور صحابہ کرام کے بارے میں سوئے ظن اور ان کے درمیان کینے وعداوت کا خیال بھی ناجائز ہے بہ قول حضرت مجددؒ ہر مقدمہ اپنی اپنی جگہ ہر ایک کافی ہے لیکن ان کے مجموعے نے واقعہ قرطاس کی اصل ہیئت آشکار کردی ہے۔

حضرت مجددؒ نے مشاجرات صحابہ خاص کر حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کے سیاسی اختلاف پر بھی بہت صحیح اور متوازن رائے دی ہے، اگرچہ ان کی رائے سے خاص کر اس جزیئے سے کہ حضرت معاویہؓ سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی اتفاق کرنا مشکل ہے اور وہ ان کی بنیادی رائے کی کاٹ بھی کرتا ہے، کیوں کہ حضرت علیؓ سے کسی صحابی کا اختلاف نہیں تھا، اور نہ ان کی خلافت سے کسی کو انکار تھا۔ صحابہ کرامؓ بہ حیثیت جماعت خلیفہ سوم کی شہادت اور خون ناحق کے قصاص طالب تھے اور اس مطالبے میں حضرت معاویہؓ کے علاوہ بیشتر صحابہ شامل تھے۔ ان سب کو خطائے اجتہادی کا مجرم قرار دینا بڑی جسارت کی بات ہے۔ پھر خطائے اجتہادی کا فیصلہ کون کرے گا اس پر بھی بحث کی جاسکتی ہے۔ بہ ہر حال حضرت مجددؒ نے خاص صوفی نقطہ نظر رکھنے کے باوجود حدیث وواقعہ قرطاس پر بڑی عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے جو ان کی قرآن وحدیث اور علوم اسلامی میں مہارت اور مآخذ اسلامی پر گرفت کی بہترین مثال ہے۔

اختتامیہ

حدیث قرطاس اور واقعہ قرطاس پر دو طبقات اہل علم نے الگ الگ بحث کی ہے: ایک محدثین کرام

بالخصوص شیخین جلیلین اوران کے شارحین کرام نے۔ان کی احادیث صرف ایک صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸/ ۶۸۸ء) سے مروی ہیں اوران کی روایت کرنے والے ان کے تمام شاگرد وراوی اگر چہ ثقہ ہیں تاہم سب کے سب اموری دور کے لوگ ہیں، ان کی روایات میں اموی دور یا خلافت راشدہ کے اواخر کے سیاسی حالات کی جھلک ملتی ہے جومشاجرات کا حوالہ بھی رکھتی ہے، حیرت کی بات ہے کہ وفات نبوی کے معاً بعد سے خلافت معاویہؓ کے درمیانی عرصے میں ان کی مرویات کا بالکل پتہ نہیں چلتا۔دوسرے اہل سیر وسوانح ہیں جن میں سرفہرست امام ابن سعدؒ ہیں اور وہ ایک ثقہ محدث بھی تھے لیکن ان کی احادیث قرطاس سے کسی نے اعتنا نہیں کیا۔ان کی بعض روایات حضرت ابن عباسؓ سے ہیں اور بعض دوسرے صحابہ سے مروی ہیں جن میں حضرت عمر فاروق اعظمؓ ہیں کہ ان ہی کو موردِ طعن بنایا گیا ہے، دوسرے صحابہ کرام میں حضرات علی بن ابی طالب ہاشمی اور جابر بن عبداللہ انصاریؓ بہ طور عینی شاہد ہیں۔ان کی مرویات قرطاس نے واقعے کی اصل ہیئت بہ قول شبلی نعمانی اوراس کی خصوصیات بیان کی ہیں اور ہر لحاظ سے وہ قیمتی اور اہم ہیں۔تیسرا زاویہ فکر وپیش کش صوفی ہے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دفتر دوم کے مکتوب: ۹۶ میں چھ مقدمات عالیہ کی شکل میں ہے۔اس تیسرے زاویے سے کسی نے بھی اعتنا نہیں کیا ہے۔جدید سیرت نگاروں نے صرف شیخین اوران کے شارحین پر تکیہ کیا ہے۔

واقعہ قرطاس کی اصل ہیئت واصل حقیقت تمام روایتی ودرایتی نقد وتجزیے کے بعد یہ ابھرتی ہے کہ احادیث قرطاس بہ ہر حال صحیح ہیں، اگر چہ وہ پوری تصویر کشی نہیں کرتیں لہٰذا شبلی نعمانی وغیرہ کا درایتی نقد ان کے استناد کو ذرا بھی مجروح نہیں کرتا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تاعمر اپنی امت مرحومہ کی ہدایت وصراط مستقیم پر گام زنی اور ضلالت وگم راہی سے حفاظت کا خیال رہا۔بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلسلے میں ارشادات بہ حالت صحت فرمائے اور مرض الوفات میں اس کا ذکر زبان مبارک پر آتا رہا۔صحیحین کرام نے شدت مرض اور غلبہ درد کے سبب اسی ارشاد نبوی کو اظہار درد ومحبت سمجھا، اور مجلس میں موجود صحابہ کرام کے دو طبقات ہو گئے: ایک کا خیال تھا کہ جو کچھ بھی ہو تعمیل ارشاد میں عجلت کی جائے، دوسرے کا فیصلہ تھا کہ اس عالم میں مزید تکلیف نہ دی جائے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے کتاب وسنت کو ہدایت کے لئے کافی بتایا اور درد وکرب کے عالم میں تکلیف وزحمت نہ دینے کا اظہار کیا صحابہ کرام میں بہت سے موجود حضرات جن میں حضرات علی بن ابی طالب وعباس بن عبدالمطلب وغیرہ شامل تھے، ان سے اتفاق کیا دوسرے صحابہ کرام اور امہات المومنین کے اصرار پر یہ طے ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کم ہو تو معاملہ سمجھ کر عمل کیا جائے۔صحابہ کرام

کے اختلاف سے جو شور وغل ہوا وہ ناگ وار گزرا اور ان کے معاملہ فہمی اور طلب کاغذ کی تعمیل کی درخواست کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مجلس سے اٹھا دیا۔ اور پھر چار دنوں تک سلامت باکرامت رہنے کے باوجود نہیں لکھوایا۔

مرویات سیرت وتاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے دن تک اسے لکھوانے کی کوشش کی مگر آخر آخر میں اس کو ترک فرمادیا اور کتاب موعود نہیں لکھوائی۔

ان تمام روایات واحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طلب کاغذ ودوات کا حکم واجب نہیں تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد وفکر پر مبنی تھا اور وحی الٰہی کا پابند نہ تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب وصحیفہ کو بہ ہر حال لکھواتے، صحابہ کرام نے اپنی طویل صحبت اور مزاج شناسی نبوت سے پہچان لیا تھا کہ وہ اجتہادی امر وحکم ہے اور ایسے معاملات وامور میں وہ بحث ومباحثہ کرتے رہے تھے اور جب قطعی حکم نبوی جان جاتے تو تعمیل کرتے تھے۔ ان کا اختلاف وتنازع اسی قسم کا تھا وہ پسندیدہ اور جائز تھا۔ بس اس کے شور وغل نے خرابی پیدا کی تھی۔ پھر بھی انہوں نے اسے سمجھنے کی کوشش آخر آخر تک کی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب ہدایت آخر میں نہیں لکھوائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت عمر فاروق اعظمؓ اور ان کے ہم نوا صحابہ کرام کے خیال سے متفق تھے کہ کتاب الٰہی اور سنت نبوی امت مرحومہ کو گم راہی وضلالت سے بچانے کے لئے کافی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بخاری۔ الصحیح: کتاب العلم، باب کتابۃ العلم، رقم الحدیث ۱۱۴، از ص ۱۵۲۔ اس حدیث کے چھ اطراف ہیں: ۳۰۵۳، ۳۱۶۸، ۴۴۳۱، ۴۴۳۲، ۵۶۶۹، ۷۳۶۶

۲۔ ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری۔ مکتبہ دار السلام، ریاض ۱۹۹۷ء: ج ۱، ص ۲۷۵۔ ۲۷۷۔ نیز دوسری شروح بخاری۔

۳۔ مسلم۔ الصحیح: کتاب الوصیۃ، باب ترک الوصیۃ، رقم الحدیث ۴۲۳۲۔ ۲۰

۴۔ ایضاً: رقم الحدیث ۴۲۳۳۔ ۲۱

۵۔ ایضاً: رقم الحدیث ۴۲۳۴۔ ۲۲

۶۔ فتح الباری: ج ۱، ص ۲۷۵۔ ۲۷۷

۷۔ فتح الباری: ج ۸، ص ۱۶۶۔ ۱۶۹

۸۔ یعقوبی۔ تاریخ الیعقوبی۔ دار صادر بیروت ۱۹۶۰ء: ج ۲، ص ۱۱۳ ومابعد: اس سے قبل حجۃ الوداع کا خطبہ نقل کیا

ہے اور اس میں کتاب اللہ وعترتی یعنی قرآن اور اہل بیت سے تمسک کے سبب گم راہ نہ ہونے کا ذکر خیر ہے۔ یعقوبی کی تاریخ وفات پر خاک سار کی تحقیق ہے اور ان کی سیرت نگاری پر ایک تحقیقی مقالہ ہے، جو نقوش رسول نمبر لاہور ۱۹۸۲ء میں جلد اول میں شائع ہوا ہے۔

۹۔ واقدی وابن سعد دونوں پر خاک سار کے مقالات ملاحظہ ہوں: مصادر سیرت نبوی، دہلی (زیر طبع) نیز سید سلیمان ندوی۔ واقدی پر مقالات سلیمان میں اعظم گڑھ ۱۹۶۸، ۱۱۱۔۱۶۵، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور خاک سار کے مضامین ماہ نامہ الفرقان لکھنو، اگست واکتوبر ۲۰۰۵ء بالترتیب

۱۰۔ ابن سعد۔ الطبقات الکبریٰ۔ دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء: ج ۲، ص ۲۴۲۔۲۴۵

۱۱۔ بلاذری۔ انساب الاشراف۔ مرتبہ: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، قاہرہ ۱۹۵۹ء: ج ۱، ص ۵۶۲

۱۲۔ طبری۔ تاریخ الطبری۔ مرتبہ: محمد ابو الفضل ابراہیم۔ دار المعارف، مصر ۱۹۶۲ء: ج ۳، ص ۱۹۲۔۱۹۳

۱۳۔ ابن عبد البر۔ الدرر فی اختصار المغازی والسیر۔ مرتبہ: ڈاکٹر شوقی ضیف، قاہرہ ۱۹۶۶ء: ۲۸۶۔ مرتب گرامی نے ورہ بما صح کا مطلب حاشیے میں لکھا ہے: زال عنہ المرض اور اگلے حاشیے ۵ میں ابن حزم کا بیان نقل کیا ہے۔

۱۴۔ ابن حزم۔ جوامع السیرۃ، دار المعارف مصر، ۱۹۵۶ء: ص ۲۶۳۔۲۶۴ مرتبہ ومراجعہ: احسان عباس، ناصر اللہ، اسد ومراجعہ: احمد محمد شاکر

۱۵۔ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ، مطبعۃ السعادۃ، مصر ۱۹۳۲ء: ج ۵، ص ۲۲۷۔۲۲۸

۱۶۔ ابن سید الناس۔ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، بیروت ۱۹۸۶: ج ۲، ص ۴۳۱

۱۷۔ المقریزی۔ امتاع الاسماع۔ مرتبہ: محمود محمد شاکر، قاہرہ ۱۹۴۱ء: ج ۱، ص ۵۴۵۔۵۴۶

۱۸۔ حلبی۔ السیرۃ الحلبیہ، المکتبۃ الاسلامیہ، بیروت، ۱۳۲۰ھ طباعت کا عکس: ج ۳، ص ۳۴۴

۱۹۔ مولانا شبلی وسلیمان ندوی پر مقالات خاک سار ملاحظہ ہوں: شبلی کی سیرت النبی کا مطالعہ، نقد سلیمان کی روشنی میں۔ تحقیقات اسلامی علی گڑھ، اپریل جون ۱۹۸۴ء۔ شبلی کی سیرت النبی میں اضافات سلیمانی، سید سلیمان ندوی سیمینار علی گڑھ ۱۹۸۵ء: تالیف سیرت النبی، فکر ونظر شبلی نمبر ۱۹۹۶ء وغیرہ

۲۰۔ الفاروق کی اولیت واہمیت کے لئے ملاحظہ ہو: ''الفاروق۔ ایک مطالعہ'' مرتبہ محمد یٰسین مظہر صدیقی۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ، ۲۰۰۲ء

۲۱۔ مولانا نے اپنے حاشیے میں بخاری، باب کتاب العلم کی حدیث کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''اس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اس واقعے میں موجود تھے، اس لئے محدثین نے اس پر بحث کی ہے اور بہ دلائل قطعیہ ثابت کیا ہے کہ وہ موجود نہ تھے، دیکھو فتح الباری باب کتابۃ العلم''

۲۲۔ شبلی نعمانی، الفاروق، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۳ء، ۵۴۔۵۷، سیرۃ النبی، دار المصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۸۴ء: ج ۲، ص ۱۷۶۔۱۷۷: حاشیہ قوسین کے اندر اضافات جامع گرامی مولانا سید سلیمان ندوی کے ہیں۔ جیسا کہ ان کا طریقہ ہے

۲۳۔ بہ حوالہ بخاری وفتح الباری: السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ، قطر ۱۹۹۱ء: ج ۲، ص ۵۵۳۔۵۵۴

۲۴۔ عبدالرؤف دانا پوری۔ اصح السیر، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، طبع جدید غیر مورخہ: ص ۵۲۳۔۵۲۶، مولانا مرحوم کی عبارتوں میں زبان وادب کے متعدد اسقام ہیں، جن کا اظہار کیا گیا ہے لیکن اس پر بحث کی ضرورت ہے۔ فنی لحاظ سے بھی اس پر بحث ہونی چاہئے۔

۲۵۔ شاہ محمد جعفر پھلواروی۔ پیغمبر انسانیت، لاہور، ۱۹۹۰ء: ص ۴۴۳۔۴۴۵

۲۶۔ محمد ادریس کاندھلویؒ۔ سیرۃ المصطفیٰ، دار الکتب دیوبند غیر مورخہ: ج ۳، ص ۱۹۱۔۱۹۳

۲۷۔ محمد حمید اللہ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اردو ترجمہ نذیر حق۔ نقوش رسول نمبر، لاہور، دسمبر ۱۹۸۲ء: ج ۲، ص ۶۷۶

۲۸۔ محمد عبدالحق انصاری۔ تصوف اور شریعت، دہلی ۲۰۰۱ء جلد اول، ۲۰۰۵، جلد دوم، نیز امام غزالی، شاہ ولی اللہ وغیرہ کی کتب تصوف وغیرہ، مضامین خاک سار بالخصوص: حقیقت تصوف۔ ایک علمی وتنقیدی مطالعہ، مجلہ الاحسان، الہ آباد زیر طبع

۲۹۔ شاہ ولی اللہ۔ القول الجمیل۔ اردو ترجمہ: سید محمد فاروق، لاہور ۱۹۹۹ء، آداب وشرائط مرشد: پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کا علم رکھتا ہو: ص ۴۵ ومابعد

۳۰۔ القول الجمیل: مذکورہ بالا مرشد کے سنت کا عالم ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ حدیث کی المصابیح جیسی کتاب پڑھ چکا ہو، اس نے اس میں تحقیق کی ہو، اس بحث میں حضرت شاہ صاحب نے کافی تفصیل سے کام لیا ہے۔ اسی طرح وہ قرآنی نصاب میں تفسیر مدارک یا تفسیر جلالین جیسی کتاب پڑھ کر اس کی تحقیق کر چکا ہو۔ سالک ہر روز قرآن کے دو رکوعوں کا ترجمہ پڑھے، یا نئے اور ہر روز حدیث کے دو تین صفحے پڑھے، ہمعات اردو ترجمہ: ص ۶۲ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقالہ خاک سار صوفیہ کے لئے نصاب علوم شرعی۔ زیر طبع

۳۱۔ شیخ سرہندی۔ مکتوبات امام ربانی، لاہور ۱۹۶۴۔ اردو ترجمہ: محمد سعید احمد نقشبندی، دہلی ۱۹۹۶۔ مکتوب ۱۱۷ وغیرہ، شاہ ولی اللہ۔ ہمعات: ۱۶۔۱۷ وغیرہ

۳۲۔ مجدد الف ثانی۔ مکتوبات: دفتر دوم، مکتوب ۹۶

۳۳۔ حضرت مجددؒ نے اگرچہ قرآنی نطق کے ساتھ وحی کو خاص بتایا ہے، جیسا کہ قول عمرؓ میں کتاب اللہ کے کافی ہونے کا ذکر ہے مگر اس سے قرآن وسنت دونوں مراد ہیں۔ وحی الٰہی الفاظ ومعانی کے ساتھ قرآن میں ہے اور معانی کے ساتھ الفاظ نبوی/ حدیث میں ہے: بحث کے لئے کتاب خاک سار ''وحی حدیث'' کے ابواب، ملاحظہ ہوں۔

۳۴۔ اسیران بدر پر بحث کے لئے سورہ انفال کی تفسیر اور کتب سیرت میں واقعہ بدر ملاحظہ ہو: حضرت مجددؒ نے صحابہ کرام کے مشوروں اور اختلافات کی بابت اجتہادی احکام میں صرف ایک مثال دی ہے ورنہ سیرت وحدیث میں اس کی صدہا مثالیں ہیں: بحث کے لئے خاک سار کی کتاب ''عہد نبوی میں اختلافات اور ان

کی نوعیتیں'' زیر طبع

۳۵۔عہد نبوی میں اختلافات بحث برنماز، بخاری: کتاب السہو، باب ماجاء فی السہو الخ، وغیرہ، حدیث: ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹ متعدد دیگر۔ابن حجر عسقلانی۔فتح الباری: ج ۳، ص ۱۲۰ ومابعد

۳۶۔حضرت مجددؒ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت وعبدیت اور پیغمبرانہ عصمت پر بحث کر کے ان دونوں کے فرق کو واضح کیا ہے۔ان کی یہ شرح نادر ہے۔کسی اور شارح نے اس طرح اس کی وضاحت کلی احوال کے حوالے سے نہیں کی۔ان دونوں احوال کی مماثلت ثابت کرنا اس کی شان دار شرح ہے۔

۳۷۔حضرت مجدد کا خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ایک خاص نظریہ ہے جو صحیح احادیث پر مبنی ہے۔اس پر ایک الگ مقالے میں بحث آتی ہے۔صحابہ کرام کے مناقب اور ان کے جنتی ہونے کے لئے آیات قرآنی مذکورہ بالا کے علاوہ بخاری ومسلم کے کتاب فضائل ومناقب صحابہ ملاحظہ ہوں نیز تفاسیر اہل سنت

۳۸۔ملاحظہ ہو، مذکورہ بالا مقامات ومضامین مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی وخاک سار راقم

۳۹۔ابن حجر۔تہذیب التہذیب: ج ۲، ص ۲۳۱، ومابعد، نمبر ۲۴۷۹: زید بن اسلم عدوی، ثقہ، م ۱۳۶/ ۷۵۳/۱، ۱۷۰: نمبر ۵۰۱: اسلم عدوی م ۸۰/ ۶۹۹، ثقہ

۴۰۔تہذیب: ج ۱، ص ۱۱۵، ومابعد، یزید کے فرزند ابراہیم تین تھے: ۳۳۴۔۳۳۵، ۳۳۶۔ ج ۵، ص ۲۸۱، ومابعد: نمبر ۱۹۷۳: ابوالزبیر مکی کا اصل نام محمد بن مسلم ہے، م ۱۲۶/ ۷۴۴، ثقہ، صحاح کے راوی ہیں۔

۴۱۔تہذیب: ج ۱، ص ۱۳۵: نمبر ۳۹۲: لیثی مولیٰ اور ابوزید مدنی تھے، بعض نے جرح کی ہے م ۱۵۳/ ۷۷۰ ثقہ تھے، ۵/ ۵۰۸ ومابعد: ۷۹۱۹، م ۱۵۲/ ۷۶۹، ثقہ مامون امام تھے۔

۴۲۔تہذیب: ج ۱، ص ۶۹ ومابعد: نمبر ۱۸۰: انصار کے قبیلہ بنوعبدالاشہل کے مولیٰ تھے م ۱۶۵/ ۷۸۲، ثقہ بہ قول امام احمد، بعض کے نزدیک غیر ثقہ، داؤد بن حصین اموی مولیٰ تھے اور ابوسلیمان مدنی کے نام سے مشہور، امام مالک نے ان کی روایات لی ہیں، بعض کے نزدیک غیر ثقہ م ۱۳۵/ ۷۵۲

۴۳۔واقدی کی کتاب المغازی اور مسند احمد بن حنبل کے تقابلی مطالعے کے لئے ملاحظہ ہو: مارسدن جونز کی مرتبہ کتاب المغازی، آکسفورڈ ۱۹۶۶، کا مقدمہ، رواۃ وشیوخ ابن سعد کے لئے: ابن حجر کی تہذیب التہذیب، بیروت ۱۹۹۳ء کے مختلف تراجم ملاحظہ ہوں: محمد بن عبداللہ انصاری۔قرۃ بن خالد، حفص بن عمر حوضی۔عمر بن فضل عبدی۔نعیم بن یزید، ہشام بن سعد۔زید بن اسلم۔اسلم مولیٰ عمر میں سب کی ثقاہت کا ذکر ضرور ملتا ہے اگرچہ بعض پر نقد بھی کیا گیا ہے۔

۴۴۔بحث کے لئے ابن اسحاق، ابن ہشام وغیرہ کی سیرت میں واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ، خاک سار کی کتاب تاریخ تہذیب اسلامی، جلد دوم کے ابواب

۴۵۔سعید بن جبیر۔۶۶۵/ ۴۵۔۷۱۴/ ۹۵، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، م ۹۴/ ۷۱۳، مکرمہ م ۱۰۷/ ۷۲۵۔بلاشبہ اموی دور کے افراد ورواۃ ہیں اور ان کی حضرت ابن عباسؓ سے براہ راست روایات ان کو اموی خلافت

میں اخذ کرنے کو ثابت کرتی ہیں، جو حیرت انگیز ہے۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، بیروت ۱۸۹۳ء، ۴/ ۱۸: نمبر ۴۹۵۱، ۴/ ۷-۱۶۷-۱۷۲: نمبر ۵۳۷۷: عکرمہ البربری: ج ۲، ص ۲۹۲، و مابعد نمبر: ۲۶۷۷ سعید بن جبیر بن ہشام

۴۶۔ بخاری: کتاب فضل لیلۃ القدر، باب رفع معرفۃ الیلۃ القدر لتلاحی الناس، حدیث: ۲۰۲۳: نیز دیگر احادیث، فتح الباری: ج ۴، ص ۳۲۳ و مابعد۔

۴۷۔ النجم: ۳

۴۸۔ الانعام: ۳۸

۴۹۔ نماز تراویح کے لئے، بخاری: کتاب صلاۃ التراویح۔ فتح الباری: ج ۴، ص ۳۱۷ وغیرہ ملاحظہ ہوں۔ آسان کام اور اعتدال کے لئے بخاری کے کتاب الآداب کے ابواب وغیرہ، نماز تراویح کے ترک میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وجہ بتائی ہے اس میں لوگوں کے عاجز رہ جانے کا بھی حوالہ ہے: ولکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنھا، حدیث: ۲۰۱۲

۵۰۔ مقالہ خاک سار: وفات نبوی پر خطبہ فاروقی کی معنویت: معارف اعظم گڑھ، جون ۲۰۰۷: ۴۰۵-۴۱۷، فتح الباری: ج ۸، ص ۹۳۸-۹۴۱ نیز احادیث بخاری: ۳۶۶۹-۳۶۷۰ نیز احادیث بخاری: ۱۲۴۱-۱۲۴۲۔ اور ان کے متعدد اطراف۔

۵۱۔ بخاری: کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ ووفاتہ، حدیث: ۴۴۴۲۔ فتح الباری: ج ۸، ص ۱۷۶ و مابعد: اس میں خطبہ آخر کا بھی حوالہ ہے۔

۵۲۔ بخاری: کتاب الوضوء، باب الغسل والوضوء بالمخضب، کتاب الاذان، باب حد المریض الخ، باب اھل العلم والفضل احق بالامامۃ، معلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استخلاف الامام وغیرہ۔ فتح الباری متعلقہ ابواب